توہینِ رسالت، میلاد النبی ﷺ، ندائے غائبانہ اور سماع کے
موضوعات پر کم و بیش ایک صدی پیشتر کے رسائل کا مجموعہ

حفاظت الایمان

مفتی اعظم الشیخ السیّد احمد الدین گانگوی الحنفی
(1843-1968ء)

با اجازت
صاحبزادہ میاں نعیم الدین گانگوی

تحقیق و تدوین
عطاء المصطفیٰ مظہری

تصحیح/نظر ثانی
یاسر اعجاز شاہ

کتاب محل

توہینِ رسالت، میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ندائے غائبانہ اور سماع کے موضوعات پر کم و بیش ایک صدی پیشتر کے رسائل

حفاظت الایمان

الشیخ السیّد احمد الدین گانگوی الحنفی

(1843-1968ء)

باجازت

صاحبزادہ میاں نعیم الدین گانگوی

تحقیق و تدوین:

عطاء المصطفیٰ مظہری

تصحیح/نظرِ ثانی:

یاسر اعجاز شاہ

ادارہ کتاب محل

نام کتاب: حفاظت الایمان

مصنف: الشیخ السیّد احمد الدین گانگوی

باجازت: صاحبزادہ میاں نعیم الدین گانگوی

تحریک: محمد ریاض بھیروی

تحقیق وتدوین: عطاء المصطفیٰ مظہری

تصحیح ونظرِ ثانی: یاسر اعجاز شاہ

معاون: بیرسٹر رضا المصطفیٰ

ناشر: ادارہ کتاب محل

انتساب

معلم عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

استادِ محترم

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد سلطان شاہ

(چیئرمین شعبہ عربی وعلومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور)

کے نام

فہرستِ مشمولات

دریچۂ دل سے!

محمد ریاض بھیروی

شہرِ مردم خیز میانوالی کے معروف محلے گانگوی کی ایک گلی جس میں نادرِ روزگار ہستیوں کا بسیرا رہا، میں واقع جامع مسجد گانگوی میں داخل ہوں تو برکنارِ صحن اک دل آرا و دل کشا مقبرے کے اندر دو قبریں موجود ہیں۔ اندر ہمہ وقت موجود اک سحر انگیز سکوت و سکون انسان کو اپنی گرفت میں لے کر سانسیں بھی آہستہ کر لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔شاید یہ سپاسِ نیاز کا اک الوہی انتظام ہے! قبروں میں علم و عرفاں کے دو ہمالے محوِ استراحت ہیں۔مولانا سیّد احمد الدین گانگوی اور ان کے فرزند فلک کمند مولانا سیّد فخر الدین گانگوی۔اول الذکر یکے از فاضلین فرنگی محل و دہلی اور ثانی الذکر مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے شاگرد مجید ہیں۔مزے کی بات یہ ہے کہ ہر دو حضرات کے لئے کوئی بھی روایتی ذکر آفریں مجلس بصورتِ عرس وغیرہ انعقاد پذیر نہیں ہوتی لیکن میانوالی کے دینی حلقہ جات میں کوئی بھی محفل ان کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی۔علمی پایہ مسلّم ہے اور ان کا علمی اثاثہ اس پر شاہدِ عادل ہے۔معاشرے پر اپنے ہمہ گیر اثرات و گرفت کے حوالے سے آخر الذکر معروفِ خلائق ہیں۔بیسویں صدی ہجری میں پوری تابانی سے چمکنے اور ابھرنے والے آفتاب آج بھی پوری طرح ضوفشاں ہیں۔ان کا نہ ختم ہونے والا اجرانہیں ہر لمحہ نئی زندگی بخشتا رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے کام اور نام یوں زندہ رہ کر موت کو شرمندہ کرتے رہتے ہیں۔زیرِ دست رسائلکے مطالعے سے لطف اندوز ہوں اور مزید انقلاب آفریں کتب کی اشاعت کا انتظار فرمائیں اور دعا گو ہوں ان لوگوں کے لئے جو ان کتب کی اشاعت کا باعث بنے! سیّد نعیم الدین شاہ گانگوی، علامہ عطاء المصطفیٰ اور ان کی پوری ٹیم کو ہدیہ تبریک پہنچے۔اللہ کرے ان کی یہ عرق ریزی، امت خیزی کا وسیلہ ثابت ہو، امین! بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

فاضل متبحر حضرت علامہ مولانا سید احمد دین گانگوی قدس سرہ

علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ

فاضل یگانہ حضرت مولانا سید احمد دین گانگوی رحمہ اللہ تعالی ابن مولانا میاں غلام علی رحمہ اللہ تعالی ۱۸۴۳ء میں موضع گانگی شریف ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔آپ کا سلسلہ نصب اکتیس واسطوں سے غوث صمدانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔آپ کا خاندان پورے علاقے دینی اور علمی اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا۔آپ نے قرآن پاک اپنے والد گرامی سے پڑھا جو اپنے دور کے جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے فارسی کی ابتدائی تعلیم قریبی موضع سیلوان میں حاصل کی صرف ونحو کی کتابیں ضلع مظفر گڑھ میں مولانا غلام رسول سے پڑھیں پھر ملتان جا کر مولانا عبدالرحمن سے فقہ اور منطق کی تعلیم حاصل کی ،بعدازاں عمر پور ضلع میں حضرت مولانا الٰہی بخش سے علمی استفادہ کیا اور معقول سے اکتساب فیض کیا اور ۱۸۶۵ء میں دہلی سے سند تکمیل حاصل کی آپ کی آمد سے ایک ہفتہ بعد والد گرامی کا وصال ہوگیا۔

والد ماجد کے وصال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق آپ نے تدریس افتاء اور تبلیغ کا فریضہ انجام دینا شروع کیا اور ۱۹۲۸ء تک پورے تریسٹھ برس اس فریضے کو بحسن خوبی انجام دیتے رہے اس عرصے میں کابل ،قندھار اور دیگر دور دراز مقامات کے علماء نے آپ سے استفادہ کیا آپ کے چند شاگردوں کے نام یہ ہیں۔

مولانا محمد اکبر علی (میانوالی)، مولانا نور احمد لائل پوری، مولانا محمد زاہد (دریا خان)، مولانا فقیر محمد کابلی، مولانا دولت خان کابلی، مولانا محمد رمضان وغیرہ ہم۔

آپ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے لیکن حضرت ثانی خواجہ محمد الدین سیالوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور بہت جلد صاحب کمال بن گئے ،حضرت ثالث خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے فضل کمال

کے پیش نظر آپ کو آستانہ عالیہ سیال شریف کا مفتی اعظم مقرر فرمایا تھا، اس عہدے کے فرائض کو آپ نے بڑی محنت اور قابلیت سے انجام دیا، آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور حق تحقیق ادا کیا مثلاً عشر وزکوٰۃ کے موضع پر اسلامی بیت المال اور مسئلہ سماع (قوالی) پر ضیائے شمس الانوار تالیف کی، جو طبع ہو گئی ہیں، ان کے علاوہ مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، استغاثہ بحضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تین طلاقیں بیک لفظ دینے اور دیگر موضوعات پر آپ کی تصانیف تاہنوز زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکیں۔

حضرت مولانا احمد دین رحمۃ اللہ علیہ صحیح معنوں میں علمائے سلف کی یادگار تھے کبھی خوف یا لالچ آپ کو اظہار حق سے باز نہ رکھ سکا، ایک سو پچیس سال سے زائد عمر ہونے کے باوجود باقاعدگی کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے خود چل کر مسجد تشریف لاتے، عالم جوانی سے آخر عمر تک نماز تہجد، اشراق اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کے معمولات اہتمام سے ادا کرتے رہے، آپ فی الواقع صاحب کرامت بزرگ اور علمی اعتبار سے مرجع خلائق تھے۔

چار رجب مرجب ۱۳۸۸ ہجری مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۸ء بروز ہفتہ ایک بجے دن ذکر کرتے ہوئے آپ کی روح انور اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کرگئی، آپ کے وصال سے اہلسنت و جماعت ایک فاضل کامل اور صاحب دل ولی اللہ سے بظاہر محروم ہوگئے آپ کے جنازہ میں اطراف واکناف کے بکثرت مسلمانوں نے شرکت کی، اور باچشم پرنم مدرسہ شمس العلوم جامع مسجد گانگوی میانوالی میں آپ کو دفن کیا گیا، یہ امر باعث مسرت ہے کہ آپ کے فرزندار جمند مولانا سید غلام فخر الدین گانگوی مدظلہ العالی تلمیذ رشید صدر الافاضل مولانا علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین ہیں، مولائے کریم ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔ آمین

(تذکرہ اکابر اہل سنت، ص ۴۸۔۴۷)

نوٹ: علامہ شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریر مولانا غلام فخر الدین گانگوی کی حیات میں لکھی تھی جبکہ مولانا سید غلام فخر الدین گانگوی کا وصال مبارک ۱۹۸۳ء میں ہوا۔

تالیفاتِ شیخ احمد الدین گانگوی

الشیخ السیّد احمد الدین گانگوی الحنفی الچشتی نہ صرف ایک بالغ نظر فقیہہ، محدث اور کلامی تھے بلکہ صاحب حال درویش وصوفی بھی تھے۔آپ نے ۱۲۶ سال کی طویل عمر درس وتدریس، تحریر و تقریر اور ارشاد و تلقین میں بسر کی۔آپ نے علوم ظاہری کی تحصیل اپنے زمانے کے اکابر علماء سے کی جب کہ علوم باطنی اور روحانی کی تربیت حضرت ثانی خواجہ محمد دین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ سے پائی۔ اگرچہ آپ حضرت خواجہ شمس العارفین کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے مگر بیعت واجازت وخلافت حضرت ثانی خواجہ محمد دین سیالوی سے حاصل ہوئی۔حضرت ثالث ضیاء الملت والدین خواجہ محمد ضاء الدین سیالوی نے آپ کی فقاہت کے پیش نظر آپ کو آستانہ عالیہ سیال شریف کا مفتی اعظم مقرر فرمایا۔آپ کے بعد آپ کے خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ غلام فخر الدین گانگوی رحمتہ اللہ علیہ بھی مفتی اعظم کے عہدہ پر فائز رہے۔خواجہ غلام فخر الدین گانگوی، مولانہ سید نعیم الدین مرادآبادی کے تلمیذ رشید تھے۔

حضرت خواجہ احمد الدین گانگوی نے جامعہ شمس العلوم کے نام سے ایک دینی درس گاہ بھی تعمیر فرمائی جہاں سے ہزاروں کی تعداد میں طالبانِ علم ومعرفت نے حدیث وفقہ اور تفسیر وکلام کا علم حاصل کیا۔حضرت شیخ کے حالات زندگی کے لئے الیواقیت المہر یہ مؤلفہ غلام محمد چشتی، تذکرہ اکابر اہل سنت مؤلفہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری اور تذکرہ اولیاء چشت مؤلفہ سلطان احمد فاروقی وغیرہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔سر دست ہمارے پیش نظر آپ کی تالیفات کا ایک مختصر سا تعارف ہے ۔دستیاب مؤلفات وقلمی مسودات حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) السیوف العتابیہ علی انوف الوہابیہ:

یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔اس کے دو قلمی نسخے صاحبزادہ میاں نعیم الدین گانگوی کے پاس موجود ہیں۔اس کے سرورق پر لکھا ہے کہ یہ کتاب صاعقۃ الرحمٰن علی حزب الشیطان کے رد میں لکھی

گئی ہے۔صفحات کی تعداد ۳۷۳ ہے۔اس کتاب میں شیخ حسین علی واں بَھچروی صاحبِ بلغۃ الحیر ان کے عقائدونظریات کا ردِبلیغ ہے۔اس کی ابتداء بعدحمد وصلوات کے اس طرح کی ہے۔

اما بعد مسکین احمد الدین ثبت اللہ تعالیٰ فی مقام الصدق والیقین (گانگوی) حنفی چشتی برادران اسلام متبعین مذہب حق اہل سنت والجماعۃ کی خدمت میں عرض پرداز ہے۔۔۔۔

اس کتاب کے آخر میں تحریر ہے بہرکیف مولوی حسین علی ان الزمات سے جو بلغۃ الحیر ان کے غلط مضامین سے اس کے ذمے لگ چکے ہیں ایسی ویسی باتوں سے نجات حاصل نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم واحکم بالصواب۔

(۲) لوامع الضیاء فی علوم سیّد الانبیاء:

یہ بھی غیرمطبوعہ ہے۔اس کا قلمی مسودہ ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علمی کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔اس کی ابتداء اس طرح کی ہے۔

اما بعد مسکین احمدالدین بن الشیخ غلام علی حنفی چشتی عرض پرداز ہے کہ مدت سے مسئلہ علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مابین علماء کے اختلاف رہا ہے۔اہل ظواہر جن کو معرفت الٰہی میں سے کوئی بہرہ نہیں ہے وہ تو اس کے منع وانکار پر رہے۔اور اہل باطن جن کو عشق ومحبتِ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازحد دامن گیر ہے وہ اس کے اثبات واقرار پر۔۔۔۔

(۳) اسلامی بیت المال:

یہ کتاب مطبوعہ ہے۔ ہمدرد پریس کوچہ چیلاں دہلی سے کم وبیش ایک صدی بیشتر شائع ہوئی۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر یہ کتاب تالیف فرمائی۔اس کتاب کو دیکھ کر آپ کے محقق وفقیہہ ہونے کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔اس کے کل صفحات ۸۸ ہیں۔

(۴) ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار والفجار:

یہ کتاب جواز سماع پر تالیف فرمائی۔حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی خواہش پر خیر

النواہی فی حرمۃ الملاہی مؤلفہ مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی کے رد میں لکھی۔ حضرت شیخ گانگوی کوحضرت ثالث خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی سے کس قدر بے پناہ عقیدت ومحبت تھی اس کا اندازہ وجہ تالیف ذکر کرتے ہوئے ان کلمات سے لگایا جاسکتا ہے۔

امابعد مسکین احمد الدین ابن الشیخ غلام علی الحنفی الچشتی السیالوی عرض پرداز ہے کہ ان دنوں میں ایک رسالہ موسومہ بہ خیر النواهی فی حرمته الملاهی مولفہ مولانا، مولوی محمد عین القضاۃ حیدرآبادی بذریعہ بعض احباب بخدمت اقدس سلطان التارکین بُرہان العارفین امام السالکین قدوۃ الواصلین ورثۃ الانبیاء والمرسلین ملجاء الغرباء والمساکین امیر الامراء والسلاطین دلیل المتحیرین انیس المضطرین غوث زمان قطب العالمین سید العلماء سندالاولیاء الکاملین زبدۃ المحققین عمدۃ المدققین قبلۂ عالم منظور حق حافظ الملۃ والدین حاجی الحرمین الشریفین سید المجاہدین غازی الاسلام حامی المسلمین سیدنا وسندنا مولانا ومرشدنا حضرت غازی حافظ شیخ الاسلام خواجہ محمد ضیاء الحق والدین ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم وفیوضاتہم علینا وعلیٰ سائرالمسترشدین الیٰ یوم الدین آمین یارب العالمین مسند آرائے بلدہ طیبہ سیال شریف کے پہنچا۔ حضور ممدوح نے اُس رسالہ کا جواب توسر دست جناب منشی غلام حیدر صاحب (جوکہ ایک لائق فائق چیدہ برگزیدہ روزگار ہیں۔ اور مدرسہ شریفہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کا محرر ہونے کے علاوہ تمام کاروبار نوشت وخواند اور لنگر شریف کے املاک کی غور و پرداخت انہیں کے سپرد ہے) کو بلا کر مطابق تحقیق رئیس المحققین فخر المدققین جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے لکھوا کر ارسال فرمادیا۔ خود حضور مدارج النبوت کو مدِ نظر رکھ کر تقریر فرماتے رہے۔ اور منشی صاحب موصوف تحریر میں لاتے گئے۔ چنانچہ حدیث میں رسالہ تیار ہوگیا۔ جوسراپا احقاق حق وابطال باطل مجسم تھے۔ اُس کے ہوتے ہوئے سالکین مسالک علیہ وعارجین معارج رفیعہ کو اپنے معمولات میں رکاوٹ پیدا نہ ہوگی۔ اور نہ ہی مخالفین کو اس کے برخلاف دم مارنے کی طاقت رہے گی۔ حضور قبلۂ عالم کا ارادہ مبارک تو اس مسئلہ میں لکھنے کا بہت کچھ تھا۔ الا مشاغل ضروریہ نے اس قدر فرصت دینے سے انکار کیا۔ لہذا اس ناچیز بے

بضاعت کم استطاعت کو رسالہ خیر النواہی مذکورہ کی تردید کا ارشاد فرمایا تا کہ مخالفین گیدڑ کا پروانہ ہاتھ میں لے کر صوفیاے کرام کو ستاتے اور اہلِ حق کی ایذا رسانی کے گیت نہ گاتے پھریں۔ گو میری حیثیت اور لیاقت تو اتنی نہ تھی کہ ایسے بارِ گراں کا بوجھ پر سر پر اُٹھاؤں۔ جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید　　　قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

(۵) زجر الاشقیاء عن اہانۃ الاصفیاء:

یہ رسالہ مسئلہ توہینِ رسالت ﷺ اور توہین صحابہ و اہل بیت کے موضوع پر آپ کا تحریر کردہ ایک بہترین رسالہ ہے۔ اس میں آپ نے توہین رسالت کے مسئلہ پر شرعی اور قانونی پہلو کے اعتبار سے سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ اس مسئلہ کے ایک قانونی پہلو پر کلام کرتے ہوئے ایک مقام پر آپ لکھتے ہیں:

لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اقامت حدود و تعزیرات ہر ایک کا کام نہیں ہے بلکہ حاکم وقت یا جو اس کی طرف سے اس کام کے لیے تعینات کیا گیا وہ منجانب حاکم۔ ہاں البتہ اقدام جرم کے وقت اگر کوئی مسلمان اس پر قادر ہو جائے تو تعزیز دے سکتا ہے اور وہ وقت گزر گیا تو پھر سوائے حاکم سے اقامت تعزیر ناممکن جیسا کہ در المختار جلد ۳ ص ۱۸۶ میں ہے **ویقیمه کل مسلم حال مباشرة المعصیة قنیة و فلما بعده فلیس ذلک تغیر الحاکم** یعنی ہر مسلمان تعزیر کی اقامت کر سکتا ہے بوقت اقدام جرم کے اور اس کے بعد سوائے حاکم کے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ اور شامی میں ہے کہ اگر اس نے اس مجرم کو اس وقت تعزیر دی جبکہ وہ اس جرم کے ارتکاب میں مشغول تھا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ نہی عن المنکر اور نہی عن المنکر کے تمام مسلمانان مامور ہیں۔ اور اگر فراغت کے بعد تعزیر دی تو یہ نہی میں داخل نہیں ہے کیونکہ جو فعل گزر جائے اس سے نہی ناممکن تو یہ سوائے امام کے دیگر کوئی نہیں کر سکتا۔

(٦) ندائے غائبانہ:

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں نداء غائبانہ کے موضوع پر اہل سنت کے عقیدے کو دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا اور تمام شبہات کا مدلل انداز میں رد کیا گیا ہے۔

(۷) رسالہ میلاد:

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر ایک مختصر مگر دلائل سے بھرپور تحریر ہے۔

(۸) الحق المبین:

یہ مختصر رسالہ شیخ حسین علی واں بھچروی کے رسالہ اباحتِ انتفاع مرتہن لمرہون کے رد میں لکھا گیا۔اس کا قلمی نسخہ موجود ہے

(۹) مقدمۃ الصرف:

یہ کتاب آپ نے علم الصرف کے موضوع پر بزبان پنجابی تحریر فرمائی۔اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔اس کی ابتداء کچھ یوں ہے:

عرب والی وچ اصطلاح اپنی دی زبرنوں فتح زیرنوں کسرہ پیش نوں ضمہ اکھدی ہین۔ایہ نام انہدا خاص ہے عام نام انہا ندا حرکت ہے۔جس حرف اتے زبر ہووے اس نوں مفتوح ،جس حرف اتے کسرہ ہووے اس نوں مکسور،جس حرف اتے ضمہ ہووے اس نوں مضموم آکھدے ہین۔

(۱۰) علم الصرف:

صرف کے موضوع پر آپ کے ہاتھ کا تحریر کردہ ایک رسالہ بزبان فارسی بھی موجود ہے۔ جس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بدااں اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین کہ کلماتِ لغت عرب بر سہ قسم است ۔اسم است ،فعل وحرف است ، اسم چوں رجل وفرس وفعل چوں ضرب دحرج وحرف چوں من والی۔۔۔۔۔

(۱۱) نسب نامہ:

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے۔جس میں حضرت شیخ نے اپنے سلسلہ نسب کا ذکر فرمایا۔اس کے قلمی نسخے پر تاریخ تحریر جمادی الاول ۱۳۴۰ ہجری مطابق جولائی ۱۹۰۴ ءرقم ہے۔اس کے مطابق آپ کا سلسلہ نسب اکتیس واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے پہنچتا ہے۔

(۱۲) رسالہ حکمت:

مختلف بیماریوں کے اسباب اور ان کے علاج کے حوالے سے حکمت کے موضوع پر یہ رسالہ بزبان فارسی موجود ہے۔ابتدائی صفحات نہ ہونے کی وجہ سے اس کا درست نام معلوم نہ ہو سکا۔یہ رسالہ کم وبیش ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۳)

وما اہل بہ لغیر اللہ کی تفسیر وتشریح پر بھی ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا۔اس کے علاوہ بھی دیگر کئی موضوعات پر چھوٹے بڑے رسائل اور فتاوی بھی تحریر فرمائے۔

کلماتِ تشکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

راقم السطور کو حضرت خواجہ احمد الدین گانگوی رحمتہ اللہ علیہ سے عقیدت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ والدِ گرامی مولانا فیض محمد چشتی کو حضرت کے فرزند اور خلیفہ وجانشین حضرت خواجہ غلام فخر الدین گانگوی سے شرفِ تلمذ رہا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس ادارہ (دارالعلوم جامعہ اکبریہ ،میانوالی) سے میں نے مروجہ درسی علوم میں اکتساب علم کیا اس کے بانی حضرت خواجہ محمد اکبر علی چشتی میروی قدس سرہ العزیز تھے وہ بھی حضرت خواجہ احمد الدین گانگوی کے شاگرد تھے۔ اور سب سے بڑی وجہِ عقیدت یہ ہے کہ حضرت خواجہ گانگوی نے پنجاب میں عقیدہ اہل سنت کے دفاع کے لئے وہی خدمات سرانجام دیں جو ان کے معاصر امام الہند حضرت مولانا امام احمد رضا قادری ماتریدی ہند میں سرانجام دے رہے تھے۔

اللہ رب العزت کا فضل وکرم کہ کم وبیش ایک صدی بعد حضرت خواجہ صاحب کی کتابوں پہ تحقیق کی سعادت میرے حصہ میں آئی۔ بہر حال اس کام کی تحریک میں سب سے زیادہ کردار حضرت صاحبزادہ مولانا میاں نعیم الدین گانگوی اور استاذ گرامی علامہ محمد ریاض بھیروی کا ہے جو تسلسل کے ساتھ اس کام میں دلچسپی لیتے رہے اور اپنے تعاون اور دعاؤں سے نوازتے رہے۔

اور اس طرح ان تمام احباب کا بھی سپاس گزار ہوں جو اس کام کی جلد از جلد اشاعت کے خواہاں رہے خصوصاً سیّد یاسر اعجاز شاہ، حافظ محمد سراج الدین، مولانا محمد اسماعیل مظہری، احمد رضا اعوان، اعجاز المصطفیٰ، حافظ ذکا اللہ قریشی اور حافظ غلام فرید جو کسی نہ کسی صورت اس تحقیقی کام میں معاون رہے۔

آخر میں محترم محمد فہد (کتاب محل کے ناظم) کا بھی انتہائی مشکور ہوں جو اس تحقیقی کام کی

اشاعت کا باعث بنے۔

اللہ رب العزت میرے والدین، تمام اساتذہ کرام اور دوست احباب کو قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔

عطاء المصطفیٰ مظہری

27-07-2017

0332-7664592

مکتوبات

مکتوب مولانا فضل کریم صاحب
بنام مولانا احمد الدین گانگوی

بخدمت جناب مولوی احمد الدین صاحب

احقر فضل کریم بعد اسلام علیکم و رحمتہ اللہ عارض ہے کہ فقیر اور مولوی شمس الدین صاحب یہاں اتفاقاً آج موجود ہو گئے۔ لہذا عرض ہے کہ تقریری مناظرہ کے لئے کل صبح ۹ بجے عیدگاہ میں جلسہ منعقد کیا گیا ہے۔ اور شرط مناظرہ یہ ہے کہ فریقین کو بغیر نصوص قرآنیہ کے استدلال مسموع نہ ہوگا۔ آپ صاحبان کو چاہیے کہ وقت موعود پر عیدگاہ تشریف لائیں۔ جو فریق حاضر نہ ہوگا جھوٹا تصور ہوگا۔

ذیلہ تشریح شرائط تطویل لاطائل ہے۔

عبدہ فضل کریم

مولانا احمد الدین گانگوی کا جواب

۷۸۶

بخدمت مولوی فضل کریم صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ

۱۔کل شام آپ کا قلمی رقعہ پہنچا۔آپ نصوص قرآنیہ کے علاوہ باقی تین دلائل شرعیہ (یعنی حدیث شریف اجماع امت وقیاس مجتہد) کے مسموع کرنے کو تیارنہیں ہیں۔اس تحریر کا جواب خداوندتعالیٰ کی کلام پاک میں موجود ہے۔اوروہ فیصلہ قطعی ہے۔قال اللہ تبارک وتعالیٰ

فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُونَ حَتَّی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُواْ فِیْ أَنفُسِھِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُواْ تَسْلِیماً ایضاً وَمَن یُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدَی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہِ مَا تَوَلَّی وَنُصْلِہِ جَھَنَّمَ وَسَاءتْ مَصِیْر

۲۔مناظرہ کے متعلق میری سابقہ تحریر یہ تھی کہ: مدمقابل مولوی حسین علی صاحب☆ اپنی دستخطی دعوت نامہ بھیجیں اور شرائط کا تصفیہ قبل از مناظرہ ہواور انتظام امن عامہ کی ذمہ داری اپنے ذمہ لیں تو ہم ہروقت لبیک کرنے کو تیار ہیں۔کیونکہ بانیء فتنہ وفساد وہی واقع ہوئے ہیں۔مگروہ گریز کررہے ہیں۔آپ کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے میرے شاگرد کافی ہوں گے اس حالت میں جبکہ آپ سچ کے متلاشی ہوتے۔

۳۔اب بھی اگرآپ اپنے عقیدہ سے تائب ہوکرتمام ادلہ شرعیہ کے قائل ہوجائیں توآپ کے ساتھ مناظرہ کے لئے میرے شاگردان تیار ہیں۔

4 ستمبر 1930

مسکین احمد الدین بقلم خود

☆ صاحب بلغتہ الحیر ان

عکسِ مکتوب

ای مانئے نقاش چیں رو صورت یارم ببیں
یا صورتے بر کش چنیں یا ترک کن صورت گری

زجر الاشقیاء

عن اہانۃ الاصفیاء

المعروف تصویرِ محبت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

الحمدللہ العلی الاعلیٰ و الصلوۃ و السّلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد! عاجز ناچیز ہیچمدان مسکین احمد الدین سنی حنفی چشتی سیالوی کان اللہ لہ اپنے مسلم بھائیوں کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ محاربین اسلام واعداء دین نے اسلام کو (خاک بدہن ایشان) ملیامیٹ کرنے کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کیے مگر اب کے حربے بہت ہی نرالے اور خطرناک ایجاد ہوئے ہیں بمقتضائے ازماست آنچہ برماست۔

ہمیں موثق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آریوں نے بڑے بڑے معتبر مولویوں کو اپنا وظیفہ خوار بنا کر اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین وتحقیر شانِ عالی پر لگا رکھا ہے۔ اس سے دوطرح کی ان کو کامیابی کا توقع (اول) تو اسلام بانیٔ اسلام کی توہین ان کا اصلی مقصود (دوم) مسلمانوں میں تفرقہ وخانہ جنگی کی تخم ریزی جس سے ان کی خاص مطلب براری۔

یہ صرف افواہی خبر نہیں بلکہ اس کے ثبوت میں شہادت عادلہ کے علاوہ قرائن حالیہ وقالیہ بھی موجود۔ امتحاناً کسی شہر میں ایک اسلامی جلسہ جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل وکمالات خداداد کا تذکرہ ہو منعقد کریں پھر دیکھ لیجئے گا کہ اس کے مقابلہ میں اسی شہر کی کسی مسجد میں نہیں بلکہ کسی آریہ یا ہم خیال آریہ کے مکان میں بڑے زور وشور سے انہیں جلسہ ضروری کرنا پڑے گا جس کا موضوع اہانت دربارِ نبوت وکسر شان عالی ہوگا۔

ایسی صورت کی ایک بڑی پارٹی بن گئی ہے جس کے ممبر عموماً ہر شہر ہر قصبہ میں موجود۔ اب یہ پارٹی شب وروز لگاتار اپنے کام پر مستعد ہے۔ یہاں صرف ایک کارنامہ کا ذکر ضروری ہے۔ وہ واقعہ ڈیرہ اسماعیل کا ہے جہاں کسی مسجد میں کوئی وظیفہ خوار یا وظیفہ خواروں کا پٹھو منبر پر چڑھ کر وعظ کررہا تھا دورانِ وعظ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے آڑ میں حضرت حیدرِ کرار کرم اللہ وجہہ کی توہین کردی یہ اس کا اپنے مطلب کے میدان میں پہلا قدم تھا۔ جب یہ جم گیا اور

کسی غیرت مند مسلمان نے اس کی خدمت نہ کی تو موقعہ پا کر پھر منبر پر چڑھا اور حضور پاک صاحبِ لولاک باعثِ ایجاد افلاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تصویر کا لباس پہنا کر نہایت حیا سوز الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (خاک بدہن) توہین کی۔ کسی کمزور اور غیرت مند مسلمان نے ان بکواسوں کو قلمبند کر کے بصورت استفتاء علماء کرام کی خدمت میں بھیجا۔ چنانچہ چند کا پیاں علماء ہندوستان کی خدمت میں پہنچیں۔ اور علماء پنجاب کی خدمت میں وہ بے چارہ کا پی ہاتھ میں لے کر خود پہنچا اور زبانی عرض معروض کیا۔ مگر کسی صاحب نے اس غریب کی اشک شوئی بھی نہ کی چنانچہ ایک کا پی میرے پاس بھی آئی مگر میں نے اس کے جواب میں لکھنے کو تین ماہ کے لیے دو وجہ سے ملتوی کیا (اول) یہ کہ میں قبل ازیں ایک رسالہ در بارہ حلت ذبح لاہل القبور کے لکھنے میں مصروف تھا وہ بھی کسی دوست کی فرمائش تھی اور نہایت ضروری۔ اسی پارٹی کا دندان شکن جواب تھا سو بفضلہِ تعالیٰ مکمل تیار ہر کر نذرِ اصحاب ہوا۔ (دوم) یہ کہ مجھے امید تھی کہ فضلاء عصر میں سے کوئی صاحبِ قلم اس میدان میں نکل کر اسلامی شجاعت کی داد دے گا اور مخالفین کی مشینوں کے پرزے اکھیڑ دے گا۔ مگر ہزار افسوس کہ اس شریر پارٹی کے مقابلہ میں کسی شیرِ اسلام نے دم مارنے اور میدان میں نکل کر ان کو للکارنے کی جرات نہ کی شاید وجہ یہ ہو کہ یہ پارٹی نہایت دہن دریدہ گستاخ و بکواسی ہے۔ جب حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شانِ عالی میں بے ادبی گستاخی کر گزرتے ہیں دیگر کسی کی کیا پرواہ۔

بالآخر اس میدان میں نکل کر اس پارٹی کو لبیک کہنی پڑی تو اس ناتوان کو

آسماں بارِ امانت نتو انست کشید

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

ادھر اپنی کم مائگی و بے بضاعتی و عدیم الفرصتی و کمزوری پر نظر کرتے ہوئے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے کہ یا اللہ مجھ جیسے ناطاقت و ناتوان سے ایسی عظیم الشان خدمتِ اسلام،

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

الحمد لاھلہ والصلوۃ اھلھا

استفتاء

امابعد کیا فرماتے ہیں علماء اہلِ سنت والجماعۃ رحمہم اللہ تعالیٰ ان دو مسائل میں

(۱) زید مجلس وعظ میں دوران تقریر کہتا ہے کہ تصویر کا رکھنا ناجائز ہے۔ تصویر کی پوری توہین کرنی لازم ہے اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی سامنے آجائے تو اس پر پیشاب یعنی بول کر کے اس کو بھی پاؤں کے تلے روند کر عند الشرع شریف توڑ دینا لازم ہے (نعوذ باللہ)، کیا ایسے الفاظ استعمال کرنے توہین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہیں یا نہ۔ پھر جب زید کو بعد اختتام وعظ نصیحۃً کہا گیا کہ تم ایسے ناشائستہ الفاظ نہ استعمال کیا کرو تو جواب میں کہتا ہے کہ گوسالہ سامری کو اگر جلا کر کے اس کی راکھ دریا میں ڈالی جاسکتی ہے یعنی جب خدا کا نام جس پر لکھا گیا تھا اس کو جلا دیا گیا تو کسی نبی یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر پر بول کر کے اس کو پاؤں کے تلے روندنا ضروری ہے نسبت کا کوئی لحاظ نہیں۔

(۲) نیز زید کو کہا گیا کہ تم نے پہلے بھی ایک جگہ امیر المومنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں توہین آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں تو جواب میں بآواز بلند کہا کہ میں علی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جوتی کی خاک کے برابر نہیں سمجھتا اور میرا ایمان و اعتقاد ہے کہ اگر تمام انبیاء علیہم اسلام بھی علی بن کر آجائیں تو پھر بھی خلیفہ اول کی جوتی کے خاک کے برابر نہیں جانتا۔ کیا کتاب اللہ واحادیث شریفہ وائمہ مجتہدین کے نزدیک زید کا بیان کردہ اعتقاد درست ہے یا نہ اور اگر نہیں تو زید اور اس کے اعتقاد تصدیق کرنے والے کے و نیز توہین اول کے متعلق اصرار کرنے والے اور زیادہ استخفاف کرنیوالے کے لیے شرعاً کیا حکم عائد ہوتا ہے۔

بینوا توجروا

الجواب

باسمہ سبحانہ قبل اس کے ان سوالوں کے جوابات تحریر کیے جائیں ایک تمہیدی مضمون جس پر ان کلمات ناشائستہ مندرجہ سوالی کی بنا ہے ذکر کرنا نہایت موزوں اور ضروری ہے۔ جس سے ناظرین کرام خاص وعام اس واعظ اور اس کے ہم خیال پارٹی کے طرزِ عمل سے آگاہ ہو کر ان کے مکائد اور فریبوں سے بچنے کی کوشش میں رہیں۔ اور انصافاً انداز لگائیں کہ یہ لوگ اسلام کے کس قدر بدخواہ ہیں پھر ان کے متعلق جو شرعی حکم ہوگا وہ ناظرین با تمکین کی ضمیر منیر پر چھوڑا جائے گا۔ ہاں البتہ اخیر میں کتب اسلامیہ کے مطابق رائے زنی میرا قرض ہوگا جو انشاء اللہ تعالیٰ بسند شرعی مستند ہو کر ہدیۂ اخوان ہوگا۔ والسلام

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از لطف رب
بے ادب تنہا نہ خودرا داشت بد
بلکہ آتش درہمہ افاق زد

الھم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعہ وارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابہ

تمہید:

فدایان اسلام ومحبان حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی خدمت بابرکت میں مودبانہ التماس ہے کہ یوں تو مدت سے اعداء اسلام کی طرف سے حضرت اسلام پر گونا گوں ناجائز اور سنگین حملے ہوتے چلے آئے ہیں اور اعداء اسلام نے اسلام کے مٹانے کے لیے ہر ممکن وناممکن کوشش سے طرح طرح کے حربے استعمال کیے مگر بمقتضائے **الحق یعلو ولا یعلیٰ** ان کفار نابکار کے تمام منصوبے خاک میں ملتے رہے اور بفضلہٖ تعالیٰ بفحوائے **یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ** (سورۃ صف، ۷) مشعل اسلام زیادہ روشنی پکڑتا رہا اور بمضمون **ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ**

الْمُشْرِكُونَ ۰ (سورۃ الصّف،۸) دینِ اسلام باقی ادیان باطلہ پر روز افزوں ترقی پا کر اس کا بول بالا اور قول اعلیٰ رہا حتی کہ چاردانگ عالم پر کسی تشدد و تجبر و بغیر کسی وجاہت دنیوی کے پھیل گیا لا اکراہ فی الدین چنانچہ دنیا کے گوشے گوشے اور کونے کونے میں مساجد اسلام تعمیر ہو کر اذان کے نعرے بلند ہو رہے ہیں محاربین اسلام کے ناپاک حملوں سے اسلام کی ترقی میں سرمو فرق نہ آیا۔

یہ تو تھے بیرونی حملے اور خارجی حربے مگر اب کے اندرونی حملوں نے قصرِ اسلام کو ایسا ہلایا کہ خدا ہی حافظ۔

میری مراد اندرونی محارب سے نیچری یا شیعہ یا معتزلی یا خوراج یا وہابی نہیں کیونکہ گو یہ بھی کلمہ پڑھنے والے اور اسلام کے مدعی ہو کر اسلام کو کمزور و ناتوان کرنے کیلئے کوشاں ہیں۔مگر چونکہ انکے مذاہب کا اسلام پر کوئی داؤ ہرگز چل نہیں سکتا اور نہ ہی مسلمان ان کی باتیں سنتے ہیں۔ بلکہ میری مراد اس فرقہ جدیدہ سے ہے جو اپنے آپکو پکا مسلمان متقی پرہیزگار مقلد حنفی اور طریقہ نقشبندیہ عالیہ میں منسلک بلکہ اس پاک طریقہ کا مقتدا و پیشوا کہلانے والے مراقبہ و مکاشفہ کے مدعی حلقہ میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے والے بجز چند اپنے ہم خیالوں کے دیگر تمام مسلمانانِ عالم کو کافر و مشرک بنانیوالے۔ یہ ہے نہایت خطرناک فرقہ جو کہ قصر اسلام کے اندر رہ کر اسلام کی متاع کو ڈاکہ اور اسلام کے سامان کو آگ لگا رہے ہیں۔ یہ آریوں کے ہم خیال ہیں ان کی مراد براری کے ذرائع ہیں جس بکواس پر آریوں کی جرات نہیں ہوسکتی جو قصرِ اسلام کے سقف و ستون کو کھائے جارہی ہے۔

ان کا اصلی مطلب تو (خاک بدہن ایشان) اسلام ہے مگر اس مقصد کے پورا کرنے والا واحد ذریعہ یہ قرار دے رکھا ہے کہ جب تک بانی اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ہادیان اسلام حضرات اولیاء کرام و مشائخ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری پوری توہین و تحقیر نہ کی جائے تو یہ مقصد پورے ہونے کا نہیں۔لہذا اس پارٹی کے تمام منبران کیا اعلیٰ کیا ادنیٰ بالاتفاق اس کام کو تقسیم کر کے اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگ گئے۔سب سے پہلے جو بڑا کام تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

فضائل وکمالات کا اعلیٰ نمبر یعنی وسعت علمیہ جس کے رو سے آپ کو سید الناس واشرف المخلوقات کہلانے کا حق حاصل ہے اس کا قلع وقمع کر دینا۔

اس کام پر اس پارٹی کا جو پریزیڈنٹ اور سرکردہ تھا اس کو لگایا گیا۔ اس بیچارے نے ہر ممکن حیلہ سازی سے اپنی کامیابی کی سرتوڑ کوشش کی مگر

چراغی را کہ ایزد بر فرازد و

ہر آنکس دم زندیشش سوزد

وہ بے چارہ ویسا ہی ناکام ونامراد رہا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ لکل فرعون موسیٰ ادھر سے علماء اہلِ سنت نے اسکی بداعمالی پر اطلاع پا کر اسکا خوب مقابلہ کیا تحریر کا تحریر سے مقابلہ کیا اور تقریر کا تقریر سے اور جلسوں کا جلسوں سے غرض وہ بے چارہ جو طرز اختیار کرتا علماء کرام اسی طرز سے اس کو مسکوت ومبہوت کر کے چھوڑتے جس سے رسوائی وخجالت روسیاہی وندامت کا بوجھ اٹھا کر شہر بشہر کوچہ بکوچہ بدنام مناظروں میں ہزیمت مقابلوں میں فضیحت مگر پھر بھی اپنی بنائی بات کو نہ چھوڑنا یہ اسی پارٹی کا حصہ ہے۔

علی ہذا القیاس باقی منبروں نے بھی اپنے منصب کے مناسب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر فضائل وکمالات کے مٹانے (خاک بدہن ایشان) کے کام لیے۔ مثلاً بعض تو آپکے معراج جسمانی کے انکار میں ایڑی سے چوٹی تک زور لگا رہے ہیں۔ اور بعض حضور کی حیات برزخی کے انکار میں اپنی قبروں کو دوزخ کا گڑھا بنا رہے ہیں اور بعض آپ کی شفاعت عظمیٰ کی نفی کرنے سے اپنی عاقبت تباہ کر رہے ہیں یہ ان کے کارناموں مشتی نمونہ خروار ہے ان کی تفصیلی تشریح کے لیے دفتر طویل درکار ہے مگر یہ یاد رہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ علماء حق نے ان کی چالوں کو خوب تاڑ لیا ہے اور پورا تہیہ کر لیا ہے کہ ان بیابانی شغالوں کو جہاں دیکھیں وہیں ماریں

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

من انداز قدت رامی شناسم

اب چونکہ ان بے چاروں کو ان مقاصد فاسدہ میں سوائے ناکامی و بے نیلمرامی کے ہاتھ خاک آئی تو اب اس توہین وتحقیر کا ایک دوسرا نرالا طرز اختیار کیا۔ اور سوچا کہ جو جو فضائل وکمالات حضور پاک کے کلام الٰہی اور احادیث رسالت پناہی سے ثابت ہیں ان کے نیست ونابود کرنے کا خیال بھی باطل ہے۔ چلو اس کام کو چھوڑ و اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی شرافت (خاک بدہن ایشان) کو توڑو اس میں بھی البتہ رہی سہی بات بن جائے گی۔ ان میں جو زیادہ چالاک تھے انہوں نے تو صرف بشریت کا سوال پیش کر کے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا مساوی اور برابر قرار دے کر اپنا جی ٹھنڈا کر لیا۔ لیکن جو ان میں زیادہ گستاخ اور بے باک تھی انہوں نے اس برابری پر اکتفا نہ کر کے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تصویر کا جامہ پہنا کر آپکے جسدِ اقدس واطہر کی توہین وتحقیر (خاک بدہن ایشان) وتذلیل کرنے کو اترے۔ چنانچہ زید واعظ کے منہ سے جو چنگاریاں نکلی ہیں یہ سب اسی آگ کی ہیں

اب اس واعظ کی کلام کی یہ تاویل غلط ہے کہ مدِ نظر صرف تصویر کی حرمت تھی اور حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ مبارک بے ساختہ اور بلا ارادہ آ گیا ہے نہیں نہیں بلکہ اس کی مدنظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین تھی اور سوچ سمجھ کر بلکہ مشورہ ومنصوبہ سے اس نے جو کچھ کہا ہے کہا ہے ویسے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت یہ کلمہ برہنہ کہہ دیتا تو مسلمانوں سے ایسی بے غیرتی کب ہو سکتی ہے کہ اس کو برداشت کر جاتے بلکہ وہیں اس کو بوچھاڑ اور جوتوں کی مار پڑ جاتی۔ اس نے چالاکی سے اپنے من کی بات بھی کہہ دی اور تصویر کے لباس پہننانے سے مار پیٹ سے بھی بچ گیا۔ یہ ہے ان کی حیلہ ساز جس کی انہیں بڑے میاں نے تعلیم دی ہے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بلا ارادہ اس کے منہ سے نکل گیا ہوتا تو بعد میں معذرت کر دیتا کہ مجھ سے غلطی ہوئی میرا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لینے کا نہیں تھا سہواً و بے ساختہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام منہ سے نکل گیا اب معافی کا خواستگار ہوں لیکن معذرت میں تو اس نے صاف کہہ دیا کہ گوسالہ سامری کی جب توہین جائز ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر کی توہین بطریقہ اولی جائز ہے عذر گناہ بدتر

از گناہ اسی کا نام ہے۔

میرے خیال میں جو اس نے پہلے کسی وعظ میں حضرت علی المرتضی ی شیرِ خدا کی توہین کی تھی وہ بھی سوچی سمجھی تھی اس میں اس کے چند مطلب برآمد ہوئے (۱) حضرت علیؓ اکثر سلاسل اولیاء کے پیشوا ہیں ان کی توہین تمام اولیاء اللہ کی توہین (۲) مسلمانوں کو اپنے اکابر کی توہین سننے اور برداشت کرنے کا عادی اور متحمل بنایا (۳) اہلِ بیت کی توہین رب البیت کی توہین عادۃ مانی جاتی ہے اس سے بھی بالواسطہ حضور کی توہین مقصود تھی واللہ اعلم

قارئین: مضمون تو بہت لمبا ہے ختم ہونے کا نہیں مگر بخوف ملال اسی تھوڑے پر اکتفا کر کے اصل مدعا کو چھیڑا جاتا ہے۔ لیکن سب سے پہلے مسئلہ تصویر کی تشریح کماحقہ کرنی نہایت ضروری ہے تا کہ ناظرین اصل معاملہ پر واقف ہوکر اس واعظ کے وعظ کی تصدیق یا تکذیب پر قادر ہوجائیں اور اس کی کجروی کا بخوبی اندازہ لگاسکیں۔

جاننا چاہیے کہ تصویر ذی روح کی چار حالتیں ہیں اور ہر ایک حالت کا حکم جدا ہے۔

حالت اولیٰ:

تصاویر کا بنانا خواہ بصورت فوٹو ہو یا قلمی یہ فعل بالکل شرعاً ناجائز اور حرام ہے شرع محمدی میں کسی انسان کو اجازت نہیں کہ یہ فعل کرے خواہ وہ تصویر چھوٹی ہو یا بڑی خواہ بغرض پرستش بنائی جائے یا کسی دیگر غرض کے واسطے **لا طلاق النصوص لانہ مضاھاۃ لخلق اللہ** جیسا کہ احادیث صحیحین وغیرھما میں بلفظ **اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ الذین یضاھئون بخلق اللہ یا اشد الناس عذاباً عند اللہ المصورون** وارد ہیں نیز دیگر اس مضمون کی بہت احادیث کتب احادیث میں موجود ہے

اور علامہ شامی نے شرح درالمختار میں کہا ہے **وظاھر کلام النووی فی شرح مسلم الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان و قال و سواء صنعہ لما یمتھن او لغیرہ فصنعۃ حرام بکل حال لان فیہ مضاھاۃ لخلق اللہ تعالیٰ وسواء کان فی ثوب او بساط او درھم**

او اناءاو حائط او غیرھا انتہی (شرح درالمختار جلداولیٰ کتاب الصلوۃ ص ۴۵۴)

حالت ثانیہ:

تصاویر کا پرستش کرنا یہ قطعاً حرام بلکہ کفر وشرک جیسا کہ نصوص قطعیہ اس بارہ میں بکثرت وارد ہیں۔

حالت ثالثہً:

تصاویر کا اپنے پاس یا گھر میں رکھنا۔ اس کی تین صورتیں ہیں ایک صورت ہیں انکا رکھنا حرام اور دوسری صورت میں مکروہ تیسری میں جائز پہلی صورت جبکہ بغرض پرستش رکھی جائیں اس کی حرمت قطعی ہے جیسا کہ حالت ثانیہ میں اس کا ذکر ہوا دوسری صورت مکروہ اور اس کراہت کی علت صرف تعظیم ہے خواہ ارادۃً ہو یا صورۃً مثلاً تصویردار کپڑے کو پہننا جیسا کہ عامہ متون کتب فقہ میں موجود ہے ہدایہ میں ہے **ولو لبس ثوباً فيه تصاوير يكره لانه يشبه حامل الصنم** انتھیٰ اور شامی میں ہے **و فی الخلاصة و تكره التصاوير على الثوب صلے فيه اولا** انتھی (ہدایہ)

یا کسی سامنے کی دیوار یا سقف یا دروازہ کھڑکی پر یا کسی اونچی جگہ پر جہاں اس کی عظمت معلوم ہو تصویر یا منقش ہو یا معلق یہ تمام صورتیں کراہت تحریمی کی ہیں جیسا کہ کتب احادیث وفقہ میں اس کی تصریح موجود ہے اور حدیث عدم دخول ملائکۃ الرحمۃ کا محمل بھی یہی صورت ہے جیسا کہ علامہ الشامی نے کہا ہے کہ **و خبر جبرائيل عليه السلام معلول بالتعظيم بدليل الحديث الآخر وغيره فعدم دخول الملائكة انما هو حيث كانت الصورة معظمة** انتھیٰ۔ غرض جس تصویر کے رکھنے میں اس کی تعظیم مقصود ہو یا صورت تعظیم کی ہو تو اس کا رکھنا مکرہ ہے۔ تیسری صورت جبکہ اس تصویر کے رکھنے میں نہ صورت تعظیم کی ہے اور نہ ارادہ اور اس کی چند وجوہ ہیں (۱) کسی بساط یا بچھونے پر تصویر منقش ہو جیسا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق تصویردار دیوار پوش کے دو ٹکڑے کئے گئے اور ان دونوں کے بچھونے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی نشست گاہ کے لیے بنائے گئے جیسا کہ حدیث صحیحین میں موجود ہے اور نہایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ ایک دن حضرت حسن وعطار حمتہ اللہ علیہ کسی گھر میں تشریف لے گئے وہاں تصویر دار کپڑا بچھا ہوا تھا حضرت عطاء تو دیکھ کر ٹھہر گئے لیکن حضرت حسن وہاں جا کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ان پر نہ بیٹھنا ان کی تعظیم ہے۔(حواشی ہدایہ)

(۲) سرہانہ یا تکیہ پر اگر تصاویر ہوں تو اس میں بھی کوئی ممانعت نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ ولو کانت الصورۃ علی وسادۃ ملقاۃٍ اور علی بساط مفروش لا یکرہ انتھی (ہدایہ ص ۱۲۲)

اور شامی میں ہے وکذا لو کانت علی بساط یوطئی او مرفقۃ یتکاء علیہ کما فی البحر انتھیٰ۔

(۳) تصویر اگر غیر مستبین یعنی کھلی نہ ہو اور انگشتری کے نگین پر کندہ ہو تو یہ بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی انگشتری میں دو زبابوں کی تصویر تھی جیسا کہ مولانا جونپوری نے شرح ہدایہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔(۴) تصویر صغیر کا رکھنا بھی شرعاً ممنوع نہیں اب اس صغیر کی تفسیر میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ در المختار میں علامہ حلبی سے اس کی یہ حد بیان کی کہ تصویر کو زمین پر رکھ دیا جائے اور دیکھنے والا کھڑا ہو کر دیکھے اگر اس کے اعضاء کی تفصیل نہ کر سکے تو صغیر ہے اور اگر کر سکے تو کبیر۔ اور شامی نے قہستانی اور کرمانی کا قول یوں نقل کیا ہے کہ بادی النظر سے دیکھنے میں آجاوے تو صغیر نہیں ورنہ صغیر ہے اور محیط کا قول یوں نقل کیا ہے کہ اگر دور سے نظر آجائے تو صغیر نہیں ورنہ صغیر ہے۔(فتح القدیر)

اور خزانتہ الروایات کا قول یوں بیان کیا ہے کہ اگر بقدر طیر ہو تو مکروہ ہے اور اگر اس سے چھوٹی تو مکروہ نہیں (شامی ص ۴۵۵)

(۵) اگر اس تصویر کا سر کٹا جائے تاہم اس کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بالصراحتہ اور متون فقہ میں بالوضاحتہ موجود ہے۔(٦) کسی انعام الٰہی کے تذکرہ اور یاد دہانی کی خاطر تصویر رکھی جائے جیسا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی انگشتری میں شیر نر و مادہ

کی تصویر اوران دونوں کے درمیان ایک بچہ کی تصویر جس کو وہ دونوں چاٹ رہے تھے منقش تھیں یہ اس واقعہ کی یاد دہانی تھی جو کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی بچپن میں دو شیر نر اور مادہ نے بحکم حفاظت کی تھی جیسا کہ مولانا جونپوری نے حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے(۷) غیر ذی روح کی تصویر مطلقاً جائز ہے جیسا کہ حدیث صحیحین میں بروایت ابنِ عباس وارد ہے **فان کنت لا بدفا علاً فاصنع الشجر و ما روح فیدانتھی** تصویر کا بنانا اور رکھنا دونوں جائز۔ یہ ہے وہ صورتیں جن کو علماء اہلِ سنت نے جائز قرار دیا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص احتیاط اور تنزہ کرے تو بہت اچھا ہے لیکن فتویٰ جواز پر ہے۔

حالت رابعہ:

تصویر کو اپنے پاس رکھ کر یا تصویر دار مکان میں نماز پڑھنی اس مسئلہ میں بھی بڑی تفصیل ہے بعض صور میں نماز مکروہ اور بعض میں غیر مکروہ اور کراہت کی علت یا تو تعظیم یا مشابہت بعبادۃ جہاں دونوں موجود ہوں تو کراہت اشد ہوگی اور جہاں ایک موجود اور دوسری مفقود تو کراہت اخف اور جہاں دونوں مفقود تو کراہت ندارد۔ کراہت کی صور ذیلہ ہیں تصویر دار کپڑے کے ساتھ نماز کا پڑھنا، جس مکان میں نماز پڑھ رہا ہے اس کے سقف میں تصویریں ہیں یا اس کے سامنے کی دیوار میں یا نمازی کے آگے یا داہنے طرف یا بائیں طرف یا سجدہ کی جگہ یا پیٹ کی طرف اگر تصویریں ہوں تو نماز مکروہ ہوگی۔ اور اگر نمازی نے پاؤں کے نیچے یا سینے کی جگہ یا ہاتھ میں یا انگشتری کے نگین پر غیر متبین نقش ہوں یا جیب میں یا کسی خریطہ میں یا کسی دوسرے کپڑے سے مستور ہوں یا مقطوع الراس یا کسی غیر ذی روح کی ہوں ان تمام صوّر میں نماز مکروہ نہیں ہوتی۔ (درالمختار و شرحہ للشامی، ص ۴۵۵)

یہ مختصر خاکہ تصویر کی حالت کا ہے۔ اگر مفصل حالات دیکھنے ہوں تو کتب احادیث و تفاسیر و فقہ میں دیکھ کر تسلی کر سکتے ہیں۔

اعوذ باللہ من الشطین الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال الواعظ تصویر رکھنا نا جائز ہے

اقول و باللہ التوفیق اولاً یہ ایک دعویٰ ہے اور دعویٰ کے لیے بینہ اور برہان ضروری لیکن یہاں نام ندارد ثانیاً قضیہ مہملہ ہے اور دعاوی میں مہملات حکم کلیات میں ہوتے ہیں جیسا کہ مقولہ مطردہ ہے مہملات العلوم کلیات تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ تمام تصاویر کا رکھنا نا جائز تو یہ کلیہ غلط جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہوا کہ بعض تصاویر کا رکھنا شرعاً جائز ہے ورنہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تصویر دار کپڑوں کے وہ سادہ وبساط ہرگز استعمال نہ فرماتے۔ اور اگر ہر مہملہ کو قوۃ جزئیہ میں مانا جائے تو اثبات مرام میں غیر مفید کما ہو الظاہر

قال تصویر کی پوری توہین کرنی لازم ہے

اقول اس مہمل کلام پر بھی وہی دو نقض عائد جو پہلے مذکور ہوئے۔ یعنی اگر ہر مہمل کو جزئیہ کے حکم میں مانا جائے تو مسلم لیکن غیر مفید اور اگر کلیہ کے حکم میں مانا جائے جیسا کہ متکلم کی مذاق اور کلام کا سیاق ہے تو غیر مسلم کیونکہ جب جبرائیل علیہ السلام حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صورت ریشم سبز کے پرزہ میں جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے اجبرائیل علیہ السلام اپنی ہتھیلی پر منقش کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیش کی اور کہا کہ **ھذہ زوجتک۔**

(ترمذی باب مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صفحہ ۵۷۳)

جیسا کہ تفسیرِ خازن و مدارک وغیرہ کا سورہ نور میں موجود ہے تو آپ نے اُس تصویر کی توہین نہ فرمائی یا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی انگشتری پر تین تصویریں تھیں حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کے پیش ائیں تو آپ نے اس کی کوئی توہین نہیں فرمائی بلکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کے حوالے کر دیں اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی انگشتری میں دو تصویریں تھیں کبھی نہ انہوں نے اس کی توہین کی اور نہ ہی کسی دوسرے صحابی نے یہ دونوں روایتیں حاشیہ ہدایہ جلد اول صفحہ ۱۲۲ میں

موجود ہیں (حاشیہ ہدایہ جلد اول اصفحہ ۱۲۲)

علے ہذا القیاس ہزار ہا واقعات ہیں جن کے احصاء میں ملال ہے

قال اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر بھی سامنے آجائے

اقول **كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبا ۰** (سورۃ کہف،۵) اُن کے اندرونی نارِ حسد کے شرارے اور عداوۃ الرسول کے فوارے جو بے ساختہ اور بے محل خود بخود ان کے منہ سے نکل رہے ہیں بات تو تھی تصویر کے عدم جواز کی مگر جب توہین کا ذکر کیا گیا تو بے تحاشا و بے موقعہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ مبارک خواہ مخواہ منہ سے نکل آیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک جس چیز کی توہین کی جائے تو ضرور ہے کہ (خاک بدہن ایشان) حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین (العیاذ باالله) بھی ساتھ ہو جائے (تف برایں اعتقاد وحیف بر بانی ایں بنیاد) اگر کسی چیز کے اعزاز واحترام کا ذکر ہوتا تو حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک ہرگز نہ لیتے۔ نہیں نہیں بلکہ اس کے منہ سے جو بکواس نکلے ہیں وہ بے ساختہ و بے محل نہیں بلکہ اسکا اصلی مدعا حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین تھی تصویر کا جامہ پہنا کر اپنے مقصد کا اظہار کیا۔ یہ ہیں اُس محبت کے تقاضے جس کے وہ مدعی ہیں

برعکس نہند نام زنگی کافور

جانمن محبت اور عداوت گو مبطن امر ہیں لیکن آثار علامات سے بخوبی ظاہر ہو سکتے ہیں۔ خواہ اپنے منہ سے کوئی کسی کی محبت یا عداوت کا مدعی ہو اُس کے صدق و کذب کی پہچان بہت جلد ہو سکتی ہے۔ مثلاً اس سے کہا جائے کہ جس کی محبت کے تم دعویٰ کرتے ہو اُس کے اوصاف حمیدہ بیان کرو اس کا جواب بالکل صفر اور اگر کہا جائے کہ اُس کے عیوب بیان کرو تو ایک اوپر ہزار لیجئے کیا اس کو محبت کہا جا سکتا ہے، ہرگز نہیں۔

بنر بچشم عداوت بزرگستر عیبی ست
گل است سعدی و درچشم دشمناں خاراست

اس کو بھی جانے دیجئے اور سنئے محبت اور عداوت بولنے کے بغیر صرف چہرہ سے بھی معلوم ہو سکتی ہے مثلاً اُس کے سامنے اُس شخص کے اوصاف حمیدہ بیان کرے جس سے وہ محبت کا مدعی ہے اور اُس کے چہرہ کی طرف دیکھتا رہے اگر ان اوصاف کو وہ سن کر خوش ہوتا رہا اور اس کا چہرہ بشاش و شفاف ہو گیا تو یقین کریں کہ واقعی اس کی محبت میں صادق ہے اور اگر معاملہ دگرگوں ہو گیا یعنی اُن اوصاف کے سننے سے بدحال اور بدرنگ اور چہرہ سیاہ ہو کر اُس پر چیونٹی چلنے لگ پڑیں تو سمجھیے کہ یہ بے چارہ پکا دشمن ہے۔ یا اُس کے عیوب بیان کرنے میں اگر خوشحال ہوا تو دشمن اور اگر بدمزہ و بے چین ہوا تو سچا محب سمجھا جائے گا۔

یہ ہے معیارِ محبت وعداوت۔ اب اس معیار پر اس پارٹی کو پرکھیے اور ان سے کوئی آیت قرآنی یا حدیث رسول ربانی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جاہ وجلال پر دلالت کرتی ہو طلب کیجئے تو یکدانہ ندارد اور اگر آپ کے عیوب کے پوچھیے تو تین سو آیت اور پانچ سو حدیث لو۔ مطلب تمام قرآن شریف اور احادیث ان کے زعم میں آپ کے کسرِ شان (خاک بدہن ایشان) میں وارد ہیں۔ علی ہذا القیاس ان کے سامنے آپ کے فضائل وکمالات خداداد کا تذکرہ کیجئے پھر ان کے منہ کو دیکھیے گا کہ کس طرح سیاہ اور بدفام ہو جاتے ہیں اور بے تحاشا بول اُٹھیں گے جھوٹ، افتراء اگرچہ وہ فضائل وکمالات کلام الٰہی یا احادیث رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت کیوں نہ ہوں خدا تعالیٰ ان کو ہدایت کرے

اس ناپاک اور بے ادب گستاخ پارٹی کی بدلگامی کا کہاں تک تذکرہ کیا جائے مضمون بڑھتا جا رہا ہے اور رسالہ کا حجم زیادہ ہو رہا ہے جس سے ناظرین کی نزاکت طبعی کے ملال کا سخت اندیشہ ہے لہذا اس پر بحث کو اگرچہ بہت ضروری ولازم التذکرہ ہے فی الحال ملتوی کیا جاتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے موقعہ پر ان کے تمام مکائد و بدترین عقائد کو بالتفصیل ہدیہ مسلمانان عالم کیا جائے گا۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصویر کبھی کہیں کسی نے دیکھی یا سنی بھی ہے

۔جسکی نسبت بالخصوص بے ادبی گستاخی کا آرڈر دے دیا۔ بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ حضور پاک ﷺ کی تصویر کشی دائرہ امکان بشری سے بھی باہر ہے (۱) جبکہ حضور پاک ﷺ حسبِ ارشاد رب العباد جل وعلا شانہ فرمان سید الانس والجان واقوال اصحاب کمال مجسم نور ہیں تو نور کی تصویر کشی سے طاقت بشری قاصر کسی نے کیا خوب کہا ہے

نور کی صورت کسی نقاش نے پائی نہیں
اس لیے تصویرِ جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں

آپ کے مجسم نور ہونے کی شہادت کلامِ الٰہی سے یہ ہے (۱) **قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین**۔ ترجمہ: یعنی آئے ہیں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب روشن۔ اس نور سے مراد بعض مفسرین نے قرآن شریف لیا ہے مگر اکثرین نے اس سے مراد حضور پاک ﷺ لیے ہیں **و ہو الاظہر لان العطف یقتضی المغایرۃ و ایضاً التاسیس اولی من التاکید** (۲) **مَثَلُ نُورِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۰** (سورۃ النور، ۳۵) یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال ایک آلے کی ہے اور اس میں چراغ ہے اس نور سے مراد بھی حضور پاک ﷺ ہیں جیسا کہ تفسیر خازن وکبیر وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے (۳) **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً ۰ وَدَاعِياً إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجاً مُنِيراً ۰** (سورۃ الاحزاب، ۴۶-۴۵) یعنی اے نبی ہم نے آپ کو (تمام امتوں پر) گواہ بنا کر اور (مومنوں کو) خوشخبری دینے والا اور (کافروں کو) ڈرانے والا اور (تمام مخلوقات کو) اللہ کی طرف بلانے والا ساتھ حکم اللہ تعالیٰ کے اور چراغ روشن کرنے والا بھیجا سراجاً سے مراد آفتاب ہے اور قرآنی محاورہ میں سراج بمعنی آفتاب مطرد ہے اور آپ کو آفتاب اس لیے کہا کہ جیسا کہ آفتاب تمام عالم کو روشنی دیتا ہے اور کسی غیر اللہ سے روشنی لیتا نہیں حضور پاک بھی اسی طرح تمام جہاں کو روشنی دے رہے ہیں اور دیگر کسی سے لینے کی ضرورت نہیں۔ اور سراج اس لیے فرمایا کہ ایک چراغ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں چراغ روشن ہو سکتے ہیں یہ کام آفتاب میں نہیں اور اس لیے فرمایا کہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور چراغ

بجھ جاتے ہیں مگر حضور پاک ﷺ کا نور دائم قائم کبھی نہ بجھے گا حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی قطب ربانی حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے آپ کی مدح میں کیا خوب کہا ہے

افلت شموس الاولین و شمسنا

ابداً علی افق العلی لا تغرب

اب احادیث صحیحہ سے آپ کے مجسم نور ہونے کا ثبوت لیجئے۔

(۱) انا من نور اللہ و المومنون من نوری اس حدیث کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں ذکر کیا ہے۔(مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۶۱۰)

(۲) اول ما خلق اللہ نوری اس حدیث کو جماعت محدثین نے ذکر کیا ہے

(۳) ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک و من نورہ الحدیث اس حدیث کو عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اور قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اور علامہ سیوطی نے نزہتہ المجالس میں اور ابن حجر مکی نے شرح ہمزیہ میں اور شیخ احمد مالکی مصری نے مولد شریف میں اور علامہ نبہانی نے بحار الانوار میں اور مولانا عبدالحی نے آثار مرفوعہ میں ذکر کیا ہے (مصنف عبدالرزاق)

(۴) انا من نور اللہ و الخلق من نور اس حدیث کی حضرت شاہ ولی اللہ نے فیوض الحرمین میں تصحیح کی ہے۔

اب علماء کرام و فضلاء عظام کی تصریحات کا کرشمہ بھی ذکر کیا جاتا ہے (۱) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیفات میں عموماً اور مدارج النبوت میں خصوصاً اس مسئلہ کی مواضع متفرقہ میں تشریح کی چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات سے پہلے اور مخلوقات کے پیدا کرنے کا واسطہ اور حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کا واسطہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نور ہے جیسا کہ صحیح حدیث اول ما خلق اللہ نوری میں وارد ہے دوسری جگہ کہتے ہیں تمام مکتوبات راز نور وے ﷺ پیدا کردہ اند اس طرح علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اور ملا علی قاری نے شرح مشکوۃ میں اور اس طرح بہت سے علماء امت محمدیہ نے اس مسئلہ

کی خوب تحقیق کی ہے لیکن یہاں ان کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اس قدر پر اکتفا ہوا

(۲) جس ذات پاک کو خلاق عالم نے اپنی تمام مخلوقات میں سے لاثانی و بے مثل پیدا کیا ہے اُس کی تصویر کشی اُس کی بے مثلیت کے منافی ہے جیسا کہ کسی نے کیا خوب کہا ہے

ایک سے جب دو ہوئے وہ لطف یکتائی نہیں

اس لیے تصویرِ جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں

اس وجہ سے حضور پاک کا سایہ بھی نہیں تھا کیونکہ اس میں بھی ایک مثلیت کا شائبہ ہے تو گویا حق جل وعلا کو آپ کی نظیر ومثلیت منظور ہی نہیں اب تصویر کشی کی کس کی کیا طاقت۔

(۳) حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرالی صورت اور غایت درجہ کی موزوں شباہت اور آپ کے چہرہ کی بشاشت وملاحت کی نقل اتارنی کس کے امکان میں ہے یہاں طوطی ہند امیر خسرد دہلوی نے کیا خوب کہا ہے

ای چہر ہ زیبائے تو اشک بتان اذای بنانی

زنقش صورتت شرمندہ از صورت گری

دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے آپ کی صورت مقدسہ کو نسبت یا تشبیہ دی جائے یہاں لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی کیا کہا ہے

نسبت رویت بتابا ماہ و پروین کردہ اند

صورت نادیدہ الحاقی بتخمیں کردہ اند

اب میرے اس تمام بیان کی تصدیق کے لیے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا حضرت شیخ احمد سرہندیؒ قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ الاقدس کا ارشاد مندرجہ مکتوبات شریفہ کافی وافی ہے جس کا ترجمہ اردو حسبِ ذیل ہے جاننا چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت باقی افراد انسانی کی خلقت کے رنگ میں نہیں بلکہ جہاں کے تمام افرادوں میں سے کوئی فرد اس کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود عنصری نشاء کے حق جل وعلا کے نور سے مخلوق ہوئے جیسے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے **خلقت من نور اللہ** یعنی میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں اور دوسروں کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔(مکتوبات شریفہ جلد ۳،مکتوب ۱۰۰)

بیان اس دقیقہ کا یہ ہے کہ پہلے گذر چکا کہ حضرت واجب الوجود جل سلطانہ کی حقیقی صفتیں ہر چند کہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن بواسطہ احتیاج کے ان صفات کو ذات کی طرف ہے رائحہ امکان کا بھی ہے اور جب حقیقتہً قدیمہ صفات میں امکان کی رائحہ کو گنجائش ہوگئی تو حضرت واجب الوجوہ کی اضافیہ صفات میں امکان کا ثبوت بطریق اولیٰ ہوگا اوران کا عدم قدم بھی ان کے امکان پر کافی دلیل ہے اور صریح کشف کے ساتھ معلوم ہوا ہے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت اسی امکان سے ہے جو اضافیہ صفات سے تعلق رکھتا ہے نہ وہ امکان جو عالم کے باقی ممکنات میں ہے اور ہر چند کہ عالم کے ممکنات کے صحیفہ کو باریک نظر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کا وجود مسعود اس جگہ مشہود نہیں ہوتا۔ اور حضور کا امکان اضافیہ صفات کا امکان محسوس ہوتا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود عالم کے ممکنات میں نہیں بلکہ ہر عالم سے بالا وفوق ہے تو ضرور اس کا سایہ نہ ہوگا۔ اور نیز شہادت کے عالم میں شخص کا سایہ شخص سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب اس پاک ذات سے کوئی زیادہ لطیف جہاں میں نہیں تو اس کا سایہ کس طرح۔ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات انتہی ۔

وجوہات مذکورہ بالا سے صاف ثابت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر ناممکن چیز کو فرضی وقوع میں لاکر اُس کی توہین اور تحقیر کرنی کیسی حیاسوز گستاخی وشوخ چشمی ہے۔

قال تو اس پر پیشاب یعنی بول کر کے اس کو بھی پاؤں کے تلے روند کر عندالشرع شریف توڑ دینا لازم ہے۔

اقول ناظرین یہ الفاظ حضور پاک کی تصویر کے لیے تجویز کیے گئے ہیں۔

کیا اب بھی آپ کو اس ناپاک پارٹی کی عداوت الرسول میں کوئی شک ہے کیا اب بھی ان کے دجالی فرقہ ہونے میں کوئی تامل ہے کیا اب بھی ان کے راجپالی ٹولہ ہونے میں کوئی شبہ ہے کیا

اب بھی ان کے بدتر از ابلیس ہونے میں کوئی سوچ باقی ہے۔ابلیس نے تو صرف انا خیر منه کهه کر ایک خدا کے پیارے بندے کے اس سجدے سے انکار کیا کوئی کلمہ تحقیر و تذلیل اُس کے منہ سے نہیں نکلا لیکن اس حزب الشیطان کے منہ سے وہ کلمہ نکل رہا ہے جس سے زمین و آسمان پھٹ جائیں تو بجا ہے اور کس کے حق میں حضور سید الاولین والآخرین محبوب العالمین اشرف الانبیاء والمرسلین کے حق میں جس ذات بابرکات کا خود رب العزت اکرام و احترام کرے حتی کہ محمد کے نام سے بھی نہ خود ندا کرے اور نہ ہی ایسے ندا کی اجازت دے بلکہ منع فرمادے اور جس کے سامنے آواز کا بلند کرنا بھی بحکم قرآنی منع ہو اور جس ہستی کے حق میں کوئی ایسا لفظ جو موہم توہین ہو مثلاً راعنا استعمال کرنے سے صریح نہی وارد ہو اب ایسے معزز محترم محبوب الٰہی کے شان اعلیٰ میں ایسی حیاسوز گستاخی اور بے ادبی کر کے باوجود کسی غیرت مند مسلمان کو ان کی ملعونیت میں اشتباہ ہوسکتا ہے کلا دحاشا ادھر ابلیس تو آدم علیہ السلام کے حق میں انا خیر منہ کہنے سے ملعون ابدی ہو جائے لیکن ادھر سید الانبیاء کے بارہ میں ایسے گندے الفاظ بکنے سے بھی کوئی مواخذہ نہ ہو۔۔۔نہایت تعجب ہے۔راجپال کے رنگیلہ رسول میں بھی ایسے فحش آمیز الفاظ استعمال نہیں ہوئے مگر پھر بھی وہ رسید جہنم کرایا گیا۔لیکن اب ان بکواسوں میں بھی ابھی تک اہلِ اسلام تامل میں ہیں یہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب وہ کس تامل میں ہیں اور کس دقیقہ کی فروگزاری کے انتظار میں ہیں۔

چونکہ شرع شریف کے دلائل چار ہیں۔قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع امت، قیاس مجتہد اولاً سوال یہ ہے کہ اس اپنے دعوی پر ان ادلہ اربعہ میں سے کوئی ایک دلیل بھی پیش کر سکتے ہیں جس سے انکی صداقت کا ثبوت ہو سکے ہم ان کو پھر بھی ارخاء عنان دیتے ہیں حضور پاک علیہ لصلوات والسلام کی تصویر سے قطع نظر کر کے مطلق تصاویر کا مسئلہ پیش کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ کیا قرآنِ کریم میں کوئی اس مضمون کی آیت صریحۃ الدلالۃ یا کتب حدیث میں کوئی صحیح حدیث یا اجماع امت ہو یا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کا قول یا مشائخ کرام میں سے کسی ولی اللہ کی تصریح ہے۔جس سے اس دعویٰ کی صداقت ثابت ہو سکے تو پیش کریں فی آیت، اور فی حدیث

صحیح ،اور فی القول متفق علیہ ہے فی قول مجتہد بتا کر انعام حاصل کریں۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد اقدس میں بھی تصاویر کا وجود تو تھا اور عموماً ان کے رکھنے والے ان کے پجاری تھے کیا کسی صحیح نقل سے ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ نے کسی تصویر کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہو یا ایسا معاملہ کرنے کا حکم صادر فرمایا ہو۔

اچھا تصاویر کا تذکرہ بھی جانے دیجئے ہم بتوں کا سوال پیش کرتے ہیں جو کہ بانسبت تصاویر کے نہایت بدترین ہیں کیونکہ اولاً بتوں سے سوائے پرستش کے دیگر کوئی غرض ملحوظ نہیں ہوتی۔ اور تصاویر میں دیگر اغراض موجود تھے۔ ثانیاً بتوں کی حرمت قطعی نص قرآنی سے ثابت اور تصاویر کی حرمت ظنی حدیث شریف یعنی خبر احاد سے ثابت ہے اور آیت **مَا هَـٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِيٓ أَنتُمۡ لَهَا عَاكِفُونَ ○** (سورۃ انبیاء، ۵۲) سے تصاویر مراد نہیں کیونکہ نمرود و مردود کی قوم بت پرست تھی نہ تصویر پرست جیسا کہ اسی آیت کے بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول وارد ہے **وَتَاللّٰهِ لَأَكِيدَنَّ أَصۡنَامَكُم بَعۡدَ أَن تُوَلُّوا مُدۡبِرِينَ ○** (سورۃ الانبیاء، ۵۷)، بلکہ ان تماثیل سے مراد اصنام مصورہ بصورت سباع وطیور و انسان جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے ثالثاً بتوں کا رکھنا کسی طرح جائز نہیں بخلاف تصاویر کے بعض صور میں ان کے رکھنے کی اباحت ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ہے (رابعاً) تصاویر کی حرمت صرف ہماری شریعت میں ہو۔بخلاف بتوں کے ان کی حرمت متوارث ہے۔

اب ان بتوں کی نسبت جنکی قباحت نص قطعی سے ثابت ہے کوئی ایسا واقعہ پیش کر سکتے ہیں کہ خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کبار یا تابعین مجاہدین اسلام نے ان پر پیشاب کیا یا کرنے کا حکم دیا ہو۔اس کا جواب اگر اثبات میں ہے تو پیش کریں اور اگر نفی میں اور ضرور نفی ہی ہوگا تو تصاویر جو ان سے نسبتاً خفیف ہیں ان پر پیشاب کرنے کا حکم کس قاعدہ شرعیہ سے دیا جاتا ہے۔

خانہ کعبہ کے گرد جو ۳۶۰ بت معبود منصوب تھے ان کی نسبت احادیث صحیحہ میں اس قدر ذکر ہے کہ ایک لکڑی سے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں تھی ان کی طرف اشارہ فرماتے

اورآیت شریفہ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ٥(سورۃ بنی اسرئیل، ۸۱)
پڑھتی گئے اوروہ بت گرتے گئے۔

اورتصاویر دوطرح کی آپ کے پیش ہوئیں ایک مطلق من غیرتقیید اضافت ونسبت دوسری مخصوص تصاویر انبیاء علیہم السلام مطلق کی توتعظیمی حالت بدل دی گئی اوراپنی مسند مقدس کے لیے مخصوص کی گئیں۔اورابنیاء کی تصاویر کوآبِ زم زم سے دھوڈالا۔

اب قارئین کرام کوخوب اندازہ ہوگیا ہوگا کہ جس امر کا ثبوت نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ ہی احادیثِ صحیحہ میں اورنہ اجماع امت اورنہ قیاس مجتہدین میں اس کا ذکر ہے اورنہ مشائخ عظام کا فرمان ہے کہ پھراس کولازم قرار دینا اورعندشرع شریف کاحکم بھی ساتھ لگادینا کیسی گستاخی اورافتراءعلی اللہ ہے سچ ہے **اذالم تستحی فاصنع ماشئت**

بے حیاءباش وہرچہ خواہی کن

ثانیاً محدثین اورفقہاء کے کلام میں جہاں تصویر کی توہین کا ذکر ہے وہاں پرتوہین سے مراد پیشاب وغیرہ کرنانہیں جیسا کہ اس خبطی نے سمجھا بلکہ اس سے مرادعدم تعظیم ہے یعنی تصویر کی تعظیم نہ کرنا ضروری ہے تا کہ بت پرستی سے مشابہت نہ ہوجائے جیسا کہ درالمختار میں ہے **و خبر جبرئیل مخصوص بغیر المھانتہ انتھی**۔ ورنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بذاتِ خود کیوں اس لازم عندالشرع کے ترک فرمایا صحابہ کرام نے کیوں اس لزوم پرعمل نہ فرمایا انبیاءسابقین میں سے کسی نے اس اقدام پرعمل کیا۔حلانکہ تابوت سکینہ میں حسب تصریح جمہور مفسرین تصاویر انبیاءتھیں جو ان کو بڑے احترام واکرام سے رکھتے تھے۔ یا کہ دانیال علیہ السلام کی انگشتری پر جوتین تصاویر تھیں اورامیر عمرصاحب رضی اللہ عنہ کے پیش ہوئیں انہوں نے اس لزوم پرعمل نہ فرمایا۔ بلکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیش حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصویر ہوئی مگرآپ نے بھی اس لزوم کی عملدرآمد نہ فرمائی اب میں کہتا ہوں کہ جب بانی اسلام صاحب شرع شریف نے یہ معاملہ نہیں کیا توعندالشرع شریف کا دعوی بدیہہ البطلان اورواجب الخذلان ہے۔

اب اس مردود کے وہ الفاظ بھی سننے کے قابل ہیں جن کو اس نے ان بکواس ناشائستہ کی معذرت میں استعمال کیا ہے وہ یہ ہیں:

قال گئوسالہ سامری کو اگر جلا کر کے اس کی راکھ دریا میں ڈالی جاسکتی ہے یعنی جب خدا کا نام جس پر رکھا گیا تھا اس کو جلا دیا گیا تو کسی نبی یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر پر بول کر کے اس کو پاؤں کے تلے روندنا بالا ولی جائز وضروری ہے نسبت کا کوئی لحاظ نہیں۔

اقول اولاً گئوسالہ سامری نہ اس واحد حقیقی جل جلالہ کی تصویر تھی اور نہ ہی اس کا مجسمہ بلکہ گئوسالہ کے رنگ میں ایک نیا خدا مستقل خود ساختہ تیار کر کے اس کی عبادت میں بنی اسرائیل کو مصروف کر لیا تھا اور اس واحد حقیقی کی نفی کر دی تھی جیسا کہ آیت **فَقَالُوا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوسٰى فَنَسِيَ** • (سورۃ طہ، ۸۸) اس پر شاہد ہے کہ اب اس پر تصویر کو قیاس کرنا کیسی حماقت ہے تصویر ایک قسم کی نقل اتار دی جاتی ہے جو کہ منقول عنہ کے شبیہ میں ہوتی ہے اور یہاں تو حقیقی پروردگار کی نفی اور مصنوعی وجعلی خدا کا ثبوت۔

ثانیاً۔۔۔اس گئوسالہ کی بناوٹ صرف عبادت کے لیے تھی جو کہ معبود باطل ہو کر غضب الہیٰ میں آ گیا جس سے ہر دو جہان کے عذاب کا مستحق قرار دیا گیا۔ دنیا کا عذاب اس کے لیے تجویز ہوا **انظُرْ اِلٰى اِلٰهِكَ الَّذِىْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهٗ فِى الْيَمِّ نَسْفًا** • (سورۃ طہ، ۹۷) اور آخری عذاب **اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ** • (سورۃ انبیاء، ۹۸) بخلاف تصاویر کے کہ ان کے بنانے کے علت غائی عموماً پرستش اور عبادت نہیں ہوتی صرف ان کی تعظیم اور احترام کرنا مشابہ بت پرستی کے ہو جاتا ہے جس وجہ سے ممنوع قرار ہوئیں۔ اب اس قدر انکے مابین تباین اور تخالف ہوتے ہوئے ان کو اس پر قیاس کرنا فضول ہے ثالثاً اس گئوسالہ کو آگ میں جلا کر دریا میں ڈال دینے سے اس کی توہین مقصود نہیں تھی بلکہ اس باطل معبود کو نابود کرنا مقصود تھا جیسا کہ تمام معبودان باطلہ کا یہی حکم شرعی ہے۔ خواہ اس میں ضمناً انکی توہین کیوں نہ ہو جائے۔

رابعاً۔ بالفرض والتقدیر مان بھی لیا جائے کہ کسی نبی یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر بت ہے اور گئو سالہ سامری کے برابر ہے جو کاروائی اس گئو سالہ کے ساتھ کی گئی تھی اور اس پر اکتفاء کیوں نہیں کیا گیا سمجھ میں نہیں آتا کہ گئو سالہ کو جلا کر پانی میں ڈالنے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر کے ساتھ یہ بے حیائی کرنے میں کونسا التزام ہے۔

خامساً تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ کسی مقتدر اور مستقل بادشاہ کے علاقہ میں اگر کوئی دوسرا شخص بادشاہت کا دعوی کر کے اس کی رعیت کو اپنا مسخر کرنا چاہے تو بادشاہ کو فطرۃً وعادۃً اس کے برخلاف اپنی تمام طاقت صرف کرنا اور پھر اس کو گرفتار کر کے طرح طرح کے عذاب سے مارنا اور پھر اس کی لاش سولی پر لٹکا کر تمام جہان کا عبرت گاہ بنانا عام معمول ہے لیکن اگر اس بادشاہ کا کوئی شخص فوٹو ایک نہیں بلکہ ہزار بھی لے لے تو اس کو اس میں نہ کوئی رنج ہوگا نہ غصہ اس طرح جب اس گئو سالہ نے خداوندِ عالم کے ملک میں اس کے مقابلہ میں خدائی کا دعویٰ کر دیا تو خداوندِ عالم کو اس کے سزا دینے اور تباہ کرنے کا خاص حق ہے اب اس پر تصویر انبیاء کو قیاس کرنا کیسی جہالت ہے۔

قولہ نسبت کا کوئی لحاظ نہیں۔ یہ دعویٰ بدیہہ البطلان ہونے کے علاوہ مضحک الاطفال بھی ہے۔ جس امر کو ہر مذہب وملت کے لوگ جانتے مانتے ہوں اور جس چیز کی فطرت انسانی شاہد ہو اس کا انکار کرنا اپنی سفاہت ورذالت کے ثبوت دینے کے مترادف ہے۔ انسان تو اعلیٰ ہستی ہے لیکن حیوانات سے پوچھیے تو یہی کہیں گے کہ نسبت اور اضافت ہر وقت اور ہر کام میں ملحوظ ہے۔ بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ جملہ نظامِ عالم خواہ علوی ہو یا سفلی ملکوتی ہو یا ناسوتی تمدنی ہو یا سیاسی اخلاقی ہو یا شرعی تمام کا قیام اسی نسبت اور اضافت سے ہے۔ مثلاً اسلام کی پابندی ہمیں اس لیے ضروری ہے کہ یہ خداوندِ عالم کا دین ہے قرآنِ کرم اس لیے واجب التعمیل ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لیے واجب الاطاعت ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں حدیث شریف اس لیے لازم الاتباع ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ادھر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدق دیانت، اخلاص، عدالت، شجاعت، سخاوت وغیرہ یہ تمام اس لیے فرض ہیں کہ ان میں خدا

تعالیٰ کی خوشنودی ہے زنا، چوری، حرام خوری رشوت ظلم کذب بہتان افترا وغیرہ اس لیے حرام ہیں کہ ان میں غیر کی حق تلفی ہے تیری ماں تجھ پر حرام تیرے باپ پر حلال تیری بہن تجھ پر حرام تیرے بہنوئی پر حلال تیری بیوی تجھ پر حلال دوسروں پر حرام یہ تمام اضافات اور نسبتیں ہیں جن پر حلت اور حرمت کا مدار ہے۔ اس طرح تمام امورات دینی و دنیاوی کو شمار کرتے جایئے پھر دیکھیے کہ کوئی ایسی چیز بھی دنیا میں ہے جس میں نسبت و اضافت کا لحاظ نہ ہو۔ یہ تو امور عامہ کی بحث تھی۔

اب ہم خاص تصویر کے مسئلہ کے دونوں رخوں کو دیکھتے ہیں ایک رخ تو فطرتی ہے اور دوسرا شرعی جس نگاہ سے دیکھا جائے تو نسبت اور اضافت کا لحاظ موجود۔ پہلے فطرت میں آیئے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی تصویر بنا کر اس کے سامنے اس کی توہین کیجئے پھر دیکھیے گا کہ وہ کس قدر غصہ اور جوش دکھاتا ہے آپ کی لحیہ مبارک کے بال نوچ کر آپ کے سامنے رکھ دے گا اگر یہ نہ ہو سکا تو گالم گلوچ سے آپ کو خوش کر دے گا۔ اگر اسمیں کچھ شک ہو تو تجربہ کر کے دیکھیں یہ تو ادنیٰ آدمی کا معاملہ تھا۔ اب اگر آپ میں کوئی جرات کا مادہ ہے تو کسی معزز محترم سردار یا حاکم شہر کا فوٹو لے کر اس کے سامنے یہ کام کیجئے پھر اس کا نتیجہ آپ خود دیکھ لیں گے۔ اگر یہ بھی نہیں آپ سے نہیں ہو سکتا تو ہم کسی مصور فوٹو کش سے آپ کے پیر و استاذ، والد بزرگوار کا فوٹو لے کے آپ کے سامنے کہہ دیتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ ذرا اس پر پیشاب کر دیجئے تو ہم دیکھیں گے کہ آپ اس پر کس قدر پانی ڈالتے ہیں۔ اب دو حالی سے خالی نہیں یا تو پیشاب کریں گے یا نہ کریں گے اگر کریں گے تو آپ کو اپنی ہٹ دھرمی اور بے شرمی کی مبارکباردی کا تمغہ دیا جائے گا لیکن تمام جہاں کی لعن وطعن کا مورد بن کر بے ادب گستاخ کے نام سے موسوم ہو جائیں گے۔ اور اگر نہ کریں گے تو کیوں۔ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرورِ دو جہاں سردارِ پیغمبران کی تصویر کے ساتھ یہ معاملہ جائز ہے اور نسبت کا لحاظ نہیں یہاں کیوں ناجائز اور نسبت ملحوظ، غرض تصویر میں بے اختیار فطرۃ و جبلۃً نسبت کا لحاظ آجاتا ہے۔

اب ہم تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں یعنی شرعی نگاہ میں بھی نسبت ملحوظ ۔ آج سے نہیں بلکہ

نسبت کا لحاظ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کے عہدِ مبارک سے اب تک بدستور۔تفسیر خازن وغیرہ مفسرین تحت آیت آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ٠ (سورۃ بقرہ،۲۴۸) کے لکھا ہے کہ ایک صندوق شمشاد کی لکڑی کا ۲ ○ ۳ گز کی جسامت میں حضرت آدم علیہ السلام پر اترا تھا جسمیں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصاویر تھیں اور وہ صندوق ابراہیم علیہ السلام کے عہد تک تمام پیغمبروں کے پاس اپنے اپنے زمانہ میں رہا پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام پھر یعقوب علیہ السلام کے پاس رہا، بنی اسرائیل میں رہا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا پھر اس طرح انبیاء بنی اسرائیل میں رہا دیکھیئے یہ نسبت کا لحاظ جس صندوق میں انبیاء کی تصاویر تھیں اس کو انبیاء کرام نے کب محفوظ و محترم بلکہ اس سے اپنی مشکلات کے حل کا اصل ذریعہ سمجھا۔حضرت دانیال علیہ السلام کی انگشتری کا تذکرہ پہلے ہو چکا کہ اسمیں تین تصویریں تھیں وہی انگشتری حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کے پیش ہوئی لیکن آپ نے اس کی کوئی توہین وتحقیر نہ کی بلکہ نسبت کا لحاظ کر کے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے حوالہ کر دی بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت فتح مکہ جب کعبۃ اللہ کے پاس تشریف فرما ہوئے تو اندر داخل ہونے سے پہلے حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ جو تصاویر کعبہ کے دیوار میں ہیں۔ان کو محو کر دے چنانچہ وہ اندر گئے اور تمام تصاویر کو محو کر دیا لیکن حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کی تصاویر کو نہ چھوا پھر جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں موجود ہیں ان کے ہاتھ میں ازلام تھے آپ نے فرمایا کہ خدا ان کفار کو تباہ کرے یہ جانتے ہیں کہ ان دونوں حضرت نے ازلام سے کبھی انتقام نہیں لیا تھا پھر زمزم کا پانی منگوا کر ان دونوں تصویروں کو آپ نے اپنے ہاتھ سے دھو ڈالا یہ ہے نسبت کا لحاظ ۔حضرت امیر عمر کو باوجود تاکیدی حکم محو کرنے جملہ تصاویر کے انہوں نے ان دونوں تصاویر کی نسبت کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں نہ چھیڑا اور باقی کو محو کر دیا۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تصاویر کو اپنے ہاتھ مقدس اور زمزم کے پانی کا شرف بخشا۔یہ وہ شرف ہے جس پر اگر ہزار جان قربان کی جائے تو بجا ہے۔مولانا جامی نے کیا خوب کہا

ہے

ہر گہ بقصد قتلم شمشیر بر کشا ی

بہر بقا عمرت د ست د عا کشا یم

و لہ ا یضاً

عمر یست بیما رِتو ا م د ر کشتم تعجیل کن

ز یر ا نکہ غیر ا ز تیغ تو نبو د شفا ء عا جلم

تیغ ر ا بر گر دنم بس تیز ر ا ن

کا ند ر یں بینم حیا ت جا و د ا ں

اور سنیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصویر کی کیا بحث حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعلین مقدسین کی تصویر کا ذکر آپ کی حیرانی کے لیے کافی ہے ذرا نظامیہ شرح شمائل ترمذی ولمعات شرح مشکوٰۃ ومواہب لدنیہ دیگر عشاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کتب کھول کر دیکھیے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصویر کو جو جبرائیل علیہ السلام نے اپنی ہتھیلی پر یا پرزہ ٔحریر پر منقش کر کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں لا کر پیش کی تھی جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے کیا وہاں نسبت کا لحاظ نہیں تھا اگر نسبت کا لحاظ نہ ہوتا تو جبرائیل ایسا فضول کام کیوں کرتے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس از دواج کے انعقاد سے تیقن کیوں فرماتے اور حضرت صدیقہ اپنے رفعت شان کے لیے اس واقعہ کا تذکرہ فخریہ کیوں بیان فرماتے۔

غرض تصویر میں نسبت کا لحاظ ضروری ہوا کرتا ہے فطرۃً بھی اور شرعاً بھی اس کا انکار شمس نصف النہار کے انکار کی مترادف ہے

رہا یہ امر کہ جب تصویر میں نسبت کا خاص لحاظ ہوا تو اگر مثلاً کسی بزرگ صالح کا فوٹو لیا جائے تو وہ جب وہ صالح قابلِ تعظیم ہے تو کیا اس کی تصویر کی تعظیم بھی ضروری ہے نہیں ہرگز نہیں اول تو تصویر کسی ذی روح کی بنانی شرعاً سخت منع ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اب اگر کسی نے اس جرم

پر اقدام کر کے کسی بزرگ کی تصویر کشی کر لی تو جس طرح اس کی توہین جائز نہیں ویسے اس کی تعظیم بھی جائز نہیں بلکہ اس کے محو کرنے میں ایسی صورت اختیار کرے جس سے اس کی توہین بھی نہ ہو اور محو بھی ہو جائے **واللہ تعالیٰ اعلم**

قارئین کرام مضمون تو ابھی ختم نہیں ہوئے اور نہ ہی دل کی ہوس پوری ہوئی مگر طوالت باعث ملالت ہونے کی وجہ سے اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے اب دوسرا مضمون یعنی اہانت اہلِ بیت کی بالکل مختصر بحث کی جاتی ہے **وباللہ التوفیق**

قال میں علی کرم اللہ تعالیٰ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جوتی کی خاک کے برابر نہیں سمجھتا۔

اقول یہ ہے وہ بکواس جس سے اگر زمین لرزہ اور آسمان زلزلہ میں آجائے تو بجا ہے

مرمر ایدز نمی ابارد روئے اعتقاد

ایں چنیں بدکر دن و دین پیمبر داشتن

یہ اس عداوۃ الرسول کی آگ کے شرارے ہیں جو اس ناپاک پارٹی کے سرغنہ ان کے دلوں میں بھڑکا رکھی ہے۔ اور اس پر حسد و بغض کے دریا کی موجیں ہیں جس کو ان کے شیخ النجد نے ان کے دلوں میں بہا رکھا ہے۔ یہ بے چارے اپنی ڈیوٹی کے فرائض ادا کرنے میں مجبور ہیں وہ بصورت سست و کاہلی جواب دہی کے خطرہ میں مقہور۔ حدیث شریف میں ہے کہ ابلیس پانی پر تخت بچھا کر اس پر بیٹھ جاتا ہے اور روزمرہ اپنے پٹھوؤں کو تمام ملک میں اپنی اپنی ڈیوٹی پر بھیج دیتا ہے ہر شام کو ہر ایک کی حاضری لے کر اس کی کارگزاری کی پڑتال کرتا ہے ان میں سے جس نے زیادہ شرارت اور خبائث کی یا کرائی ہو اور اس پر بہت راضی ہوتا ہے اور اس کو تھاپڑا ما کر اس سے خوش ہوتا ہے یہاں بھی وہی معاملہ سمجھیے۔ زیادہ تشریح کی حاجت نہیں۔

اس واعظ بے چارہ کی ڈیوٹی تو تھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (العیاذ باللہ) توہین مگر کھلی توہین تمام مسلمانوں کے اشتعال سے خوف کھایا کہ اس کا بھی راجپال سا حشر نہ ہو جائے اس پر ان کے

شیخ النجد نے یہ تعلیم دی کہ الکنایۃً مطلب ابلغ من الصراحت اس مطب کے صراحتہً کے بجائے کنایات سے پورا کیا جائے ممکن ہے کہ ایسے کرنے سے مسلمانوں کا اجتماع ٹوٹ کر تفرقہ ہو جائے اور تفرقہ سے مطلب برآمد ہونا آسان ہو جائے گا ایسی حالت میں پھر صراحت سے بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی کبھی تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تصویر کا لباس پہنا کر آپ کی (خاک بدہن دشمناں) توہین کرنی شروع کر دی۔

ان کی چالاکی اور چالبازی داد دینے کے قابل ہے کیسی دور کی سوجھی حضرت شیرِ خدا کی توہین کرنے سے انکے اصلی مطلب براری کے علاوہ اور بھی بہت مقاصد حاصل ہوئے (۱) حضرت شیرِ خدا اکثر سلاسل اولیاء اللہ کے پیشوا مانے ہوئے ہیں ان کی توہین سے تمام اولیاء اللہ کی توہین حاصل۔(۲) مسلمانوں کو اکابر کی توہین سننے اور برداشت کرنے کا عادی اور متحمل بنایا جس سے اس نے کسی آنے والے سنگین معاملہ کی پہلے تیاری کرنے کی سوچی۔(۳) مسلمانوں کی باہمیں اجتماع اور اتفاق کے بجائے اس میں تفرقہ وتخالف بلکہ بغض وعداوت کا تخم بویا۔

اب یہاں شیرِ خدا کی بالخصوص توہین کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ بفضلِ خدا تعالیٰ یہاں ہمارے ہندو پنجاب میں گو مذاہب باطلہ مثلاً مرزای وغیرہ نے عام غلغلہ مچا رکھا ہے اور بھولے بھالے مسلمانوں کے لیے دام تزویر بچھا کر اور سبز گھاس دکھا کر اپنے اپنے پھندے میں پھنس رہے ہیں۔لیکن پھر بھی الحق یعلو و لا یعلی و لکل فرعون موسی حق حق ہے اور باطل باطل تمام بد مذہب اہلِ سنت والجماعت کے مقابلے میں دم مارنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی میدان مناظرہ میں ان کی جیت لہذا مذہب اہل سنت و جماعت کا زور ہے۔حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا بھی حضور کے ساتھ گہرا تعلق اور پیشوا امت ہیں مگر اہلِ سنت والجماعت کے مخللین کو بی کا خوف دامن گیر ہوا۔لیکن ایسا پلٹا کیا کہ اہلِ سنت کی حمایت کا رنگ دکھا کر شیعہ کے مقابلہ میں ان کے مذہب کی تردید کرتے کرتے وہ اہلِ بیت پاک میں سے اعلیٰ افرد پر حملہ شروع کر دیا یعنی شیرِ خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور بموجب خوئی بدرا بہانہ بسیار نہ بہانہ یہ بنایا کہ میں تو شیعہ

کے مقابلہ میں انکی تردید کررہاہوں کہواسمیں کیا جرم کیا۔ بھولے اہلِ سنت ایسے سبز گھاس دیکھ کر خاموش ہوگئے اوراس توہین کوسن کر برداشت کرگئے ۔لیکن جوغیرت مند سمجھ دار مسلمان ہیں وہ ضروران کی خباثت سے واقف ہوکر چونک اٹھے ہوں گے غالباً مسلمانوں کے دوفرقے ہوگئے ہوں گے پھر جب اس نے یہ بکواس پچا کرہضم کرلیے تو پھراس نے حضورکوتصویر کا جامہ پہنا کر آپ کی توہین کی اسمیں بھی صرف غیور مسلمان نے مخالفت کی ہوگی اورجو پارٹی پہلے ہی اس کی حامی بن گئی ہوگی وہ اب بھی اس کے طرفدار ہوگی۔

مسلمانواب اس گستاخ کی علانیہ توہین کرنے کا وقت آگیا ہے اس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈال کرایک پارٹی اپنی حمایت کے لیے پہلے بنارکھی ہے۔وہ پارٹی اس کے ہر فعل قبیح کی حمایت میں مجبور ہے آپ اپنے اسلام اورحضرت بانی اسلام کے احترام وتوقیر میں اپنے جان و مال کوقربان کرنے کے لیے تیار ہوجائیں اوراس خناس کوپھرایسی بکواس بکنے کی گنجائش بھی نہ دیں اورایسے معاملہ میں بے پرواہی اورلااابالی سے ہرگز کام نہیں لینا چاہیے۔**وما علینا الا البلاغ۔**

اب یہاں اموذیلہ تنقیح طلب ہیں۔(۱)جس ہستی کے حق میں اس بےادب نے گستاخی کی ہے وہ عنداللہ کس قدر محترم ہے(۲)اس ہستی کا حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر تعلق ہے(۳) مسلمانو پراس ہستی کا اکرام واحترام لازم ہے(۴) کیا ایسے ناشائستہ الفاظ ایسی ہستی کے حق میں باعثِ توہین ہیں۔(۵) کیااس توہین کا اثر حضور پاکؐ تک بھی پہنچتا ہے یہ پانچ امر دریافت اور تحقیق طلب ہیں۔ان کی تشریح بالفاظ مختصرہ کی جاتی ہے **واللہ الھادی**

ان امورخمسہ کی تحقیقات کرنے سے پہلے ہم قارئین کرام کے ذہن نشین یہ امرضروری کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت شیرِ خداعلی المرتضی کرم اللہ وجہہ کےجس قدرفضائل وکمالات ذکر کیے جائیں اس سے حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوقیت ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوسکتیں بلکہ ان کے مدارج سے مساوات بھی ناممکن ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ فضائل اگرچہ اپنی

ذات میں موجوب رفعت شان کیوں نہیں مگر پھر بھی یہ کمالات جزئیہ ہیں اور حضرات ثلثہ کے فضائل کلیہ۔ اور فوقیت وفضیلت فضائل کلیہ ہوتے ہیں نہ جزئیہ۔ علاوہ برایں ان فضائل کا بعض بلکہ اکثر حضرات ثلثہ میں موجود بہر کیف حضرت شیرِ خدا جبکہ حضرات ثلثہ کے بالخصوص حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی فوقیت وفضیلت کے خود قائل ومعترف ہیں پھر ان پر فوقیت یا مساوات کا کیا امکان۔

لیکن بحث اس امر میں ہے کہ فوقیت اور فضیلت مفضول کو فاضل کی خاک نعلین بنانے کو مقتضی نہیں ہوتی خصوصاً جبکہ مفضل علیہ فی حد ذاتہ نہایت معزز ومحترم عند اللہ ہو۔ مثلاً خداوند عالم جل جلالہ کا فرمان ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ۰ (سورۃ بقرہ، ۲۵۳) کہ یہ مفاد نہیں جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام مفضول ہیں وہ فاضلین کی خاک نعلین کے برابر یا اس سے بھی کمتر ہو کلا وحاشا۔

میرے خیال میں حضرات ثلثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی رفعت شان جس قدر حضرت شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ کی رفعت میں ہوسکتی ہے اتنی رفعت حضرت علی کے معمولی ہستی ہونے سے نہیں ہوسکتی لہذا یہاں حضرت شیرِ خدا کے چند فضائل امور خمسہ کے ضمن میں ذکر کر جاتے ہیں جس سے دو امر ثابت ہوں جائیں گے ایک یہ کہ حضرت شیرِ خدا فی نفسہٖ نہایت رفیع الشان ہیں کوئی معمولی ہستی نہیں۔ دوسرا یہ کہ حضرات خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کا ایسی رفیع الشان ہستی سے افضل ہونا۔

امور خمسہ مستقحہ

امر اول حضرت شیرِ خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بنا بر اشہر اقوال کے دس سال کی عمر میں شرف اسلام حاصل کیا اور بنا بر اکثر اقوال کے تمام مذکور سے پہلے جامۂ اسلام پہنا جیسا کہ خود فرماتے ہیں سبقتکم الی الاسلام۔۔۔ ۔ چنانچہ دوشنبہ کے دن حضور کی بعثت ہوئی اور سہ شنبہ کو آپ مشرف باسلام ہوئے اور آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی نہیں کی اس واسطے آپ کو خطاب کرم اللہ وجہہ کا عنایت ہوا اور آپ کو فضیلت میں بعد

انبیاء کرام علیہم السلام چوتھا نمبر ہے۔ اور آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور علماء ربانیین میں سے فرد کامل ہیں باب العلم ہیں باب الحکمتہ ہیں۔ اسلام کے پہلوانوں میں سے اعلیٰ درجہ کے بہادر اور زبردست پہلوان ہیں۔

صحیحین وغیر ہا میں حدیث وارد ہے کہ خیبر کے دن حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کل ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر فتح ہوگی اور وہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور سول اس کو دوست رکھتے ہیں تو تمام صحابہ میں رات بھر یہی تذکرہ رہا کہ دیکھیے ایسا خوش نصیب کون شخص ہوگا صبح کو تمام صحابہ کرام اسی آرزو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش ہوئے کہ یہ سعادت ہمیں نصیب ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ کو طلب فرمایا تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ آنکھوں کے درد میں مبتلا ہیں حاضری سے قاصر ہیں ارشاد ہوا کہ اس کو بلاؤ جب حاضر ہوئے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی آنکھوں میں لعابِ مبارک ڈالی اور دعا فرمائی چنانچہ اس وقت ایسے شفایاب ہوئے گویا کوئی شکایت ہی نہیں تھی تو آپ کو ایک جھنڈا دے کر جنگ کو روانہ فرمایا چنانچہ اسی دن خیبر فتح ہوا صحیح روایت میں آیا ہے کہ آپ قلعہ کے دروازہ کو ایک ہاتھ میں لے جنگ کرتے رہے جب فیصلہ ہوا تو اس کو پھینک دیا پھر اُس دروازہ کو چالیس مرد بڑی تکلیف سے اٹھاتے۔ اور آپ اعلیٰ درجہ کے عابد و زاہد مجاہد سخی خطیب اور فصیح و بلیغ صدیق شہید ہیں۔

ان تمام امور کا ثبوت احادیث صحیحہ میں موجود اب اگر آپ کے صدیق ہونے میں کوئی تردد واقع ہوگیا ہو تو صواعق محرقہ مولفہ امام ابن حجر مکی، ص ۷۴ باب فضائل علی بن ابی طالب حدیث ۳۰، ۳۱ دیکھ کر تسلی کر سکتے ہیں۔ غرض حضرت شیرِ خدا کے فضائل و کمالات خداداد کسی حد و انداز میں آنے کے نہیں لہذا مشتے نمونہ از خروار پر اکتفا کیا جاتا ہے واللہ الھادی امر دوم حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کا گہرا تعلق ہے جو کسی اہلِ عقل و دیانت پر پوشیدہ نہیں حدیث متفق علیہ میں ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو فرمایا کہ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں اور ترمذی میں

ہے کہ علی مجھ سے اور میں اس سے ہوں اور وہ ہر مومن کا ولی ہے اور ترمذی نسائی ابنِ ماجہ مسند امام احمد میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ تو میرا بھائی ہے دنیا و آخرت میں اور نسائی میں بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو میرا مرتبہ اور منزلت ہے وہ کسی دیگر خلائق کا نہیں۔ حضور کے ساتھ آپ تمام مشاہد میں حاضر رہے الا جنگ تبوک کے موقعہ میں آپ کو مدینہ کی حفاظت کے لیے حضور پاک نے مقرر فرمادیا روتے ہوئے حضور کی جناب میں عرض کیا کہ کیا مجھے عورتوں اور معصوم بچوں میں رکھتے ہیں تو ارشاد ہوا کہ کیا تمہیں یہ امر خوش نہیں کہ تو مجھے ایسا ہے جیسا کہ ہارون موسی علیہ السلام کے لیے تھا مگر میرے بعد نبوت نہیں۔ آپ کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقد مواخاۃ کیا آپ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامادی سیدۃ نساء العالمین کے زوج ہونے کا شرف حاصل آپ اہلِ بیت اطہار میں داخل آیت مباہلہ کے انفسنا میں شامل خطیب بغدادی کی روایت ہے کہ حضور پاک کا ارشاد ہے کہ علی میرے سر کا بدن سے مرتبہ رکھتے ہیں جب حضور پاک نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کے مکہ میں چند روز ٹھہرنے کا ارشاد فرمایا تا کہ امانت اور وصایا جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھیں ادا کر کے آجائیں چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اسی معنی کے لحاظ سے آپ کو وصی کہا جاتا ہے نہ اس معنی سے جسکو بد فرقہ شیعہ شنعیہ نے بنا رکھا ہے یعنی خلیفہ بلا فصل یہ انکا مثل دیگر بکواس کے فضول بکواس ہے۔ ترمذی نے حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرماتی کہ تمام لوگوں سے حضور پاک کو زیادہ پیاری بی بی فاطمہ اور تمام مردوں سے زیادہ پیارا اس کا زوج حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے اور طبرانی میں ہے کہ حضور پاک فرماتے ہیں کہ لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور علی ایک ہی درخت سے ہیں۔ اور دیلمی نے روایت کیا ہے کہ سابقون تین ہیں موسی علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والے یوشع بن نون اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والا صاحب یسین اور میری طرف سبقت کرنے والا علی بن طالب اور ابو نعیم و ابنِ عساکر کی روایت میں ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدیق تین ہیں حبیب نجار

جس نے کہا یَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ۰ (سورہ یسین، ۲۰) اور حزقیل مومن ال فرعون جس نے کہا تھا اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ وعلی بن ابی طالب وہوا فضلھم غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جو تعلقات حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہیں ان کو اگر تمام عمر میں شمار کرتے رہے تو ختم نہ ہوں گے۔

امر سوم آپ امیر المؤمنین وخلیفۃ المسلمین و چہارم از خلفاء الراشدین المھدیین ہیں تمام مسلمانوں پر ان کا اتباع لازم جیسا کہ حدیث احمد ابوداؤد وترمذی میں موجود ہے **فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین** اور اہلِ بیت پاک میں سے ہونے کی وجہ سے جملہ اہلِ اسلام پر آپ کی مودت ومحبت واجب جیسا کہ کلام پاک رب العلمین واحادیث رحمۃ العالمین میں بالتصریح موجود بلکہ ایمان اور نفاق کا امتیاز آپ کی محبت وعداوت پر بنی جیسا کہ مسلم میں بروایت حضرت علی مروی ہے کہ مجھے اس ذات پاک کی قسم ہے جس نے دانہ کو پیدا کیا اور جی کو زندہ نکالا کہ حضور نے میرے ساتھ عہد کیا ہے کہ میرے ساتھ محبت رکھنے والے مومن ہی ہوں گے اور بغض رکھنے والے منافق اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ علی ہر مومن کے ولی ہیں اور نیز ترمذی و امام احمد کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا جس کا میں مولا اسکا علی مولا۔ اور طبرانی و حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے اور خطیب بغدادی نے رویات کیا ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ مومن کے صحیفہ اعمال کا عنوان علی کی محبت ہے اور طبرانی کی روایت میں ہے حضور کا ارشاد جس نے علی سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے مجھ سے محبت رکھی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت رکھی اور جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ تعالیٰ سے بغض رکھا۔ غرض حضرت شیرِ خدا میں سب لحاظات محترمہ موجود مثلاً شرفِ صحابیت وشرف اہلِ بیت ہونے کا وشرف ذوی القربیٰ۔

وشرف دامادی وشرف ابوۃ سیدین وغیرہ جملہ شرافات سے مشرف تو جونص صحابہ کرام کے اکرام میں وارد اس کے بھی یہ مصداق اور جونص اہلِ بیت پاک کے احترام ومحبت میں صادر وہ بھی آپ پر منطبق اور جونص ذوی القربیٰ کی مودت میں نازل اسکے بھی آپ مستحق ازینوجہ آپ کا اکرام

واحترام جملہ اہلِ اسلام پر تاکیدی فرض ہے جس کی عہدہ براری بدون ادائی ناممکن واللہ الھادی

امر چہارم جو ناشائستہ الفاظ زید نے ایسی معزز و محترم ہستی کے حق میں کہے ہیں واقعی باعث توہین وتحقیر ہیں اولاً ایسے الفاظ کسی کے حق میں نہ قرآن شریف میں آئے اور نہ ہی کسی حدیث میں یہ اختراعی الفاظ عوام کالانعام کے حق میں استعمال کیے جاتے ہیں تو گویا شیرِ خدا کو اس نے معمولی ہستی قرار دیا اور ان کو اپنے منصب سے گرا دیا اسی کا نام سب ہے ثانیاً نہ کہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسے الفاظ شیرِ خدا کے حق میں استعمال فرمائے اور نہ ہی شیرِ خدا نے کبھی ایسے خطاب سے اپنے آپ کو منسوب کیا بلکہ حضرت صدیق نے تو آپ کے اعزاز کا اعتراف کیا جیسا کہ ابن سماک نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ پلِ صراط پر سے گزرنے کے لیے پاسپورٹ حضرت علی کے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ پاسپورٹ لکھ دیں گے وہ گزرے گا اور جس کو نہ لکھیں گے وہ ہرگز نہ گذرے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے فضائل کا رشک کیا ہے جب کہ ابویعلی نے ابوہریرہ سے اور احمد نے بسند صحیح ابنِ عمر سے روایت کی گئی ہے کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علی میں تین خصائل ہیں اور ان میں سے ایک بھی میرے لیے ہوتا تو سرخ جانوروں سے مجھے زیادہ محبوب ہوتا ایک سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دخترِ نیک اختر کا آپ کے نکاح میں ہونا۔ دوسرا مسجد میں سکونت و رہائش تیسرا خیبر کے دن جھنڈا عطا ہونا۔ دیکھیے یہ حضرات شیخین ہیں جو کہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں بھلا یہ کب ممکن ہے کہ جس کی تعریف کریں اس کو اپنی خاک نعلین کے برابر قرار دیں الحاصل بمقتضائے **انزلو الناس علی قدر منازلھم** ہر ایک شخص کا قدر اس کے منصب کے مناسب کرنا ضروری ہے۔ تو جو الفاظ استعمال ہوئے جنھیں معمولی آدمی بھی اپنی تحقیر سمجھے کیا یہ سب وشتم نہیں۔ ضرور ہے اور بلاشبہ ہے اور اس امر کا مستحق ہے کہ کہا جائے **لعنۃ اللہ علی شرار کم** جیسا کہ حدیث ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔

امر پنجم ایسے سب اور بکواس کا حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بلکہ ذات پاک وحدہ لاشریک تک

پہنچتا ہے جیسا کہ حدیث مسند اما احمد میں ہے کہ حضور نے فرمایا جس شخص نے علی کو سَب کیا تو اس نے مجھے سَب کیا۔ اور امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میرے اصحاب کو سب کیا تو اس نے مجھے سب کیا اور جس نے مجھے سب کیا تو اس نے اللہ تبارک تعالیٰ کو سب کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو سب کیا تو اس کو اللہ تعالیٰ نے ناک کے بھر اگ میں اوندھا ڈالے گا اور ابو یعلیٰ و بزاز نے روایت کیا ہے کہ حضور پاک نے فرمایا جس نے علی کو ایذا دیا اس نے مجھے ایذا دیا ان احادیث و دیگر ایسے احادیث سے صاف ثابت ہے کہ زید ایسے بکواس سے لعنت کا مستحق ہے جب کہ حدیث ترمذی پہلے منقول ہوئی بلکہ در پردہ بھی حضور پاک کو ایذا پہنچایا گیا ہے ایسے کرنے والے پر نص قرآنی وارد

قال اور میرا ایمان و اعتقاد ہے کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام بھی علی بن کر آجائیں تو پھر بھی خلیفہ اول کی جوتی کی خاک کے برابر نہیں جانتا

اقول ناظرین نے دیکھا اس چالباز عدو الرسول کی روباہ بازی اس نے کیسی حیلہ کاری اور مکاری سے اپنی مطلب براری کے لئے کہاں سے کہاں جا پڑا۔ کہاں حضرت صدیق وشیرِ خدا اور کہاں تمام انبیاء اس پٹھو نے اپنی شیخ النجد کی ڈیوٹی کو کیسے ڈھنگ سے ادا کیا **قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاء مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ** ○ (سورۃ الاعمران، ۱۱۸)

میں حیران ہوں کہ جب یہی واقعہ علماء کے پیش کیا جاتا ہے تو بڑی سوچ میں پڑ جاتے ہیں کوئی اس کو پاگل و مرفوع القلم بنا کر اس کے سر سے بلا ٹال دیتا ہے اور کوئی صاحب اس کی نیت استفسار کرنے کا حکم دے کر اس کے بارے میں متوقف ہو جاتا ہے لیکن فی الاصل نہ یہ پاگل اور مرفوع القلم ہے اور نہ ہی دریافت کرنے کی ضرورت۔ بلکہ ان عقیلوں سے یہ زیادہ عقیل کیسی دور کی سوجھی اور اپنی تعیناتی کے فرض منصبی کو کیسا ادا کیا۔ اولاً تصویر کے لباس میں ثانیاً اہلِ بیت کے رنگ میں ثالثاً اب انبیاء کرام کے گروہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی (خاک بدہنش) کی توہین کی اور اپنے فرض منصبی سے سبکدوشی حاصل کی اور استفسارِ نیت کی ضرورت کیا ہے جب صراحۃً موجود

فقہا کا مقولہ مسلمہ ہے الصراحۃ لاتحتاج الی النیۃ

مثال کے طور پر میں ان سے پوچھتا ہوں (بے ادبی معاف لامناقشہ فی المثال) کہ اگر انہوں نے کسی صاحب کے حق میں کوئی بے ادبی گستاخی کر کے کوئی ناشائستہ بکواس کر کے گزرے تو کیا وہاں بھی اس کی نیت دریافت فرمادیں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ غضب وقہر کا ایسا جوش دکھائیں گے جس سے زمین وآسمان لرزہ میں آجائیں گے اور تکفیر وتلعین کی ایسی بارش برسائیں گے جس سے شیاطین بھی حیران رہ جائیں گے۔ خدارا انصاف اپنے لیے تو ایسا جوش وجلال اور سرور دوسراو دیگر انبیاء اکیلے نیت کا سوال۔

غرض ان حضرات کے نزدیک حضور پاک یا دیگر انبیاء کرام کی عظمت صرف اس قدر ہے کہ اگر کوئی انکی تحقیر کے لیے سوق کلام کرے جس سے اور کوئی مطلب ادا کرنا مقصود نہ ہو اور پھر وہ صراحتہ اقرار بھی کرے کہ اس نے یہ الفاظ بنیت توہین کہے ہیں اور اسوقت اسے تحقیر وتوہین کہیں گے ورنہ ہزارون بکواس خداوند عالم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں (خاک بدہن گستاخاں) بکے کفر نہیں ہوسکتا کہ سوق کلام اور مرام کے لیے ہے اور نیت تحقیر پر علم نہیں۔ اور کوئی صاحب کہتا ہے کہ یہ جاہلانہ الفاظ ہیں قابلِ اعتناء علماء نہیں۔ میں کہتا ہوں مانا کہ یہ بکواسی جاہل ہے تو معاف۔ کلا وحاشا

بلکہ حضرت امام قاضی عیاض نے شفا شریف میں لکھا اذ لا یعذر احد فی الکفر بالجھالۃ ولا بدعوی زیل اللسان (شفا شریف، ص ۲۲۳)

قولہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام بھی علی بنکر آجائیں یہ جملہ پیغمبران عظام کی صریح توہین وتحقیر اور آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سید المرسلین خاتم النبین رحمۃ العالمین تک سب کے سب اس سب میں داخل ہیں اس سے ان کی دوطرح کی تحقیر ہوئی ایک انبیاء کرام کو اپنے عالی مناصب نبوۃ سے گرا کر نچلے درجہ میں لایا گیا دوسرا ان کو نچلے درجہ والے شخص کی خاک نعلین سے بھی کمتر بنایا گیا۔ **اعاذنا اللہ تعالیٰ من شرور اعداء الرسول**

یہ وہ بکواس ہے کہ جس کا ثبوت نہ قرآن شریف میں اور نہ کسی حدیث میں اور نہ کسی صحابہ نے ایسے کہا اور نہ کسی تابعی نے نہ تبع تابعی نے اور نہ کسی امام مجتہد نے اور نہ کسی عالم مقلد یا غیر مقلد نے اور نہ کسی مشائخ و اولیا نے یہ وہ گستاخی ہے جس پر اب تک نہ ابلیس لعین نے اقدام کیا اور نہ ہی فرعون نمرود شداد ابو جہل و راجپال نے اور نہ ہی ایسی گستاخی دجال ملعون جرات کر سکے گا۔ گستاخی اور بے ادبی میں اس پارٹی کا نمبر سب سے اول ہے

قال المستفتی کیا کتاب اللہ و حدیث شریفہ اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک زید کا بیان کردہ اعتقاد درست ہے یا نہ؟

اقول زید بکواسی کے بکواس اور اُس کا یہ اعتقاد بد بنیاد کتاب اللہ و احادیث رسول اللہ و اجماع عباد اللہ کے بلکہ اسلام کے صریح مخالف ہے۔ اب ہم چیلنج دیتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ سے اعلان دیتے ہیں کہ جن تین امور کا زید نے دعوی کیا ہے (۱) حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر پر۔۔۔ کرنا (۲) حضرت علی کا حضرت صدیق کی خاک نعلین سے کمتر ہونا (۳) تمام ابنیاء کا ایسا ہونا ان میں سے کسی امر پر کوئی آیت صریح الدلالہ یا حدیث صحیح السند یا قول ائمہ مجتہدین یا اولیاء محققین پیش کرے **فاتو بالشھداء او ھاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین**

قال المستفتی اور اگر نہیں تو زید اور اس کے اس اعتقاد تصدیق کرنے والے کے اور نیز توہین اول کے متعلق اصرار کرنیوالے اور زیادہ استخفاف کرنے والے کے لیے شرعاً کیا حکم عائد ہوتا ہے

قول و بدا حول و علی اعدائہ اصول یہاں تین امور قابلِ دریافت ہیں۔ (۱) حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو مذکور ہوا (۲) حضرت شیرِ خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اقتدار و احترام میں جو بکواس ذکر ہوا۔ (۳) تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ السلام کے حق میں وہ گستاخی جو ذکر ہوئی۔ ان ہر سہ بکواس کی نسبت قبل ازیں حسب گنجائش وقت تھوڑا ذکر ہوا۔ ان ہر سہ نمبرات میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین مضمر اور نمبر ۲ میں حضرت شیرِ خدا کی اور نمبر ۳ میں انبیاء علیہم اسلام کی تحقیر مظہر جیسا کہ قبل ازیں یہ تمام تذکرہ ہو چکا۔ یہاں صرف ان امور کے

مرتکب اوراس کے معاونین کی نسبت حکم شرعی بیان کرنا ہےجس کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔

سب سے پہلے یہ بات واجب التسلیم ہے کہ تمام مخلوقات سے چیدہ وبرگزیدہ اعلیٰ واکرم عند اللہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اوران تمام میں سے حضور پاک ﷺ نہایت مکرم وافضل ہیں جیسا کہ تمام خلائق میں سے حضور پاک ﷺ کا مساوی نہیں اسی طرح حضور پاک ﷺ کی امت تمام امم سے افضل واکرام اور حضور پاک ﷺ کی تمام امت میں سے صحابہ کبار واہلِ بیت پاک کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کرسکتا ۔ ان میں سے مدارج کے رو سے خلفاء اربعہ کا تفاضل مطابق خلافت متفق علیہ اہلِسنت والجماعت ہے لیکن فضل جزی ہر ایک کا بحال ۔قرآن شریف میں انبیاءکرام کے فضائل عموماًاور حضور پاک ﷺ کے مناقب خصوصاًمذکوراسی طرح صحابہ کبارو اہلِ بیت پاک کے مناصب مسطور۔حضرت شیرِ خدا آیات شرف صحابہ واہلِ بیت دونوں کے عموم میں داخل اورآیات مخصوصہ کے محمل ۔اب جس کی خود خداوند عالم جل وعلاشانہ اپنی پاک کلام میں تعریف کرے اس کے واجب الاقتدار ولازماالاحترام ہونے میں کون شک کرسکتا ہےقرآنِ پاک نے حضور کے حقوق وآداب کالحاظ ضروری قرار دیا ہے چنانچہ ہر ایسے لفظ کا اطلاق بھی حضور کے حق میں ممنوع قرار دیا جس کے ایہام توہین ہو گو متکلمین کی نیت نہایت ہی صاف اور مقصد عجز و نیاز بھی کیوں نہ ہو مثلاً (راعنا) چونکہ اس لفظ سے دشمنانِ دین کچھ اپنے مطلب نکالنے کی گنجائش بھی ہو خداوند عالم نے مسلمانوں کوایسے لفظ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کہنے سے روک دیا اور حکم ہوا کہ اس کے بجائے انظرنا کہو مسلمانوں کو حکم ہوا جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ایسے رسول اللہ ﷺ کومت پکارو۔اور حکم ہوا کہ اے مسلمانوتم اپنے آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کی آواز پر بلند نہ کیا کرو ورنہ تمہارے عمل حبط ہو جائیں گےاور حکم ہوا کہ کہ جولوگ آپ کے دروازہ پر آکر چلاتے ہیں اور بلاتے ہیں اکثر جاہل ہیں ۔اگر دوازہ پر بیٹھ جائیں اور آپ کے حسب مرضی خود نکلنے تک صبر کریں تو ان کے لیے بہت اچھا کام ہے ۔ یہ ہیں قرآنی آداب جن سے حضور ﷺ کا ادب منصوص یہ بھی قرآنی تعلیم ہے حضورَ پاک کو ایذا اور تکلیف دینا موجب لعنت

دارین ہے۔ حضرت امام قاضی عیاضؒ نے شفاء شریف جلد دوم میں لکھا ہے کہ پہلے کتاب وسنت و اجماع امت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جو حقوق واجب ہیں اور جو آپ کی نسبت نیکی توقیر عظمت واکرام ضروری ہے مذکور ہو چکا ہے اور اسی مقدار کے موافق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کو تکلیف دینا حرام کر دیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو مسلمان آپ کے شان میں نقصان بتلائے اور آپ کو سب بکے بُرا کہے اس کو قتل کر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بیشک وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کو ایذا و تکلیف دیتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اُس کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ انتہی۔ محمد بن سحنون کہتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کو گالی دینے اور آپکی شان کی تنقیص کرنیوالا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کے ساتھ وعید ہے امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کا ہے اور جو شخص اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے (شفاء شریف ص ۲۰۸)

اب یہاں محض معاونین ایذا اس کیطرف سے یہ تاویل کریں گے کہ یہ کلمات اُس کی لغزش زبان سے خطاً و بلا اختیار صادر ہوئے ہیں جس سے وہ شرعاً قابلِ مواخذہ نہ ہوگا۔ اس کا جواب دو طرح سے دیا جاتا ہے (اول) یہ عذر از قبیل تاویل القول مالیرضی بہ القائل ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ کیونکہ بعد اختتام وعظ جب اس کو اس بکواس کیوجہ سے ملامت کیا گیا تو اس نے کوئی ندامت ظاہر نہ کی اور نہ اپنی غلطی کا اقرار بلکہ اسی بے ہودہ بکواس پر اصرار کا اظہار کیا اور اس کے ثبوت پر گوسالہ سامری کا واقعہ پیش کیا جس سے صاف ثابت ہے اسمیں کوئی لغزش زبانی یا خطا لسانی نہیں بلکہ سوچکر دیدہ ودانستہ یہ گستاخی کی ہے۔

(دوم) بالفرض مانا کہ زبانی لغزش سے یہ الفاظ اُس کے منہ سے نکلے مگر تاہم مواخذہ شرعیہ سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا اور بعض صاحبان زید کے جانبداران اُس کی مخلصی کا یہ حیلہ سازی وروبادہ بازی کریں گے کہ اس کلام سے اس کا مقصد حضورِ پاک ﷺ کی توہین کا نہیں بلکہ پہلی صورت میں تصویر کی تحقیر اور دوسری و تیسری میں صدیقِ اکبر کا علوشان منظور ہے اس کا جواب بھی دو طرح

سے دیا جاتا ہے (اول) الفاظ شتم وسب میں شاتم کی نیت کو کوئی دخل نہیں ورنہ ہر شاتم کہہ سکتا ہے ان الفاظ سے میری مراد شتم کی نہیں تو کیا ایسے کہنے سے وہ بری ہوسکتا ہے ہر گز نہیں شفاء شریف صفحہ ۲۲۲ میں ہے یا بے وقوفی کی باتیں کرے یا بری باتیں کرے اور آپ کی جناب میں ناشائستہ کسی قسم کے الفاظ کہے اگرچہ اُس کے دلالت حال سے معلوم ہوجائے کہ اس نے آپکی مذمت وسب کا ارادہ نہیں کیا یا تو اس کی جہالت نے ان الفاظ کے کہنے پر اس کو برانگیختہ کیا یا کسی پریشانی یا ستی نے اس کو مجبور کیا یا زبان کی بے لگامی نے یا کلام کی دلیری نے اس سے یہ اقدام کرایا پس اس قسم کا حکم پہلے قسم کا ہے کہ بدون توقف کے قتل کیا جائے کیونکہ کوئی شخص کفر میں جہالت اور زبان کی لغزش یا اور کسی وجہ سے جسکا ہم نے ذکر کیا ہے موزوں نہیں سمجھا جاتا۔

اور شفاء میں ہے کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ناشائستہ الفاظ کہے تھے پھر کہنے لگا کہ میری مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بچھو ہے تو جب یہ مسئلہ ابنِ ابی سلیمان سے کسی نے پوچھا تو انہوں نے کہا اس سائل کو اس معاملہ کا گواہ بنا کر اس کے قتل کا ثبوت دیا۔ اور حبیب بن ربیع نے کہا ہے **لان ادعاء التاویل فی لفظ صراحٍ لا یقبل لا نه امتهان و هو غیر معزز لرسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و لا موقر له فوجب اباحة دمه۔** (الشفاء، ص۲۰۹)

(دوم) ، مانا کہ اس کی نیّت ان بکواسوں سے نہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین تھی اور نہ ہی شیرِ خدا اور انبیاء کرام کی تحقیر۔ مگر ایسی توہین کے مقام میں آپکا و نیز دیگر حضرات کا ذکر کرنا بھی داخل توہین ہے۔ اس کے چند نظائر ذکر کیے گئے جاتے ہیں (۱) ابنِ حاتم طلیطلی متفقہ نے جب دوران مناظرہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یتیم اور حیدر کا خسر کہا اور آپ کے زہد کو غیر اختیاری قرار دے کر کہا کہ اگر آپ کو طیبات میسر ہوتے تو کھا لیتے وغیرہ ایسے ناشائستہ الفاظ کہے تو فقہاء اندلس نے اس کے قتل کرنے اور سولی پر لٹکا دینے کا حکم دے دیا تھا۔ (شفاء شریف ص ۲۱۰ جلد دوم)

(۲) قاضی ابو عبداللہ بن مرائط نے کہا ہے کہ جو شخص ہزیمت اور شکست کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کرے اس کو اس بکواس سے توبہ کرانا چاہیے اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے

کیونکہ اس میں بھی تنقیص ہے جو بالخصوص حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کا اطلاق ناجائز کیونکہ آپ کو کمال بصیرت اور اپنی معصومیت کا یقین تھا۔(شفاء،ص ۲۱۱)

(۳) مالک بن نویرہ نے جب حضور پاک کو صاحبکم سے تعبیر کیا یعنی تمہارا صاحب تو خالد بن ولید نے اسکو قتل کر دیا یہ زمانہ خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا کسی نے حضرت خالد کے اس فعل پر انکار نہ کیا۔(شفا ص ۲۰۸)

(۴) ایک شخص کو کسی نے فقیری کی عار دلائی تو اس نے کہا کہ تو مجھے فقر کی عار دلاتا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریوڑ چرایا ہے تو امام مالک نے فرمایا کہ اس نے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بے محل کیا ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو سزا دیجائے۔(شفاء ص ۲۳۱)

(۵) عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص سے کہا کہ ہمارے لیے ایک ایسا کاتب تلاش کرو کہ جس کا باپ عربی ہو تو کاتب نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باپ کافر تھا تو انہوں نے کہا کہ تم نے یہ مثال دی تو کبھی میری کتابت نہ کیجیو۔(شفاء ص ۱۳۱/ ۲۳۴)

(۶) جو شخص حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کو صیغہ تصغیر سے ذکر کرے مثلاً شُعیر تو بعض اس کو مطلقاً کافر کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں اگر اہانت کے طریق پر کہا تو کافر ہے ورنہ (مثلاً محبت اور پیار سے کہے) تو کافر نہ ہوگا (فتاویٰ عالمگیر جلد دوم، ص ۴۱۱)

(۷) اگر کسی نے کہا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر یا قمیض کی گھنڈی میلی ہے اور اس سے ارادہ آپ پر عیب لگانے کا ہے تو قتل کیا جاوے یہ فتویٰ امام مالک کا ہے۔(شفاء ۲۰۹)

(۸) ایک شخص نے کسی کے برخلاف گواہی دی تو اس مشہود علیہ نے کہا کہ تو مجھے تہمت لگاتا ہے تو دوسرے نے کہا کہ انبیاء تہمت لگائے گئے تیرا کیا حال ہے۔شیخ ابو اسحاق بن جعفر ایسے شخص کے قتل کو واجب کہتے ہیں کیونکہ اس کا ظاہری لفظ برا ہے اور قاضی ابو محمد بن منصور اس کے قتل میں توقف کرتے ہیں۔لیکن اس کو قید کرنے میں تشدد کیا ہے اور اس کو دیر تک قید رکھنے کا حکم دیا ہے۔(شفاء مختصراً ص ۲۲۷/ ۲۲۸)

(۹) ایک شخص کا نام محمد تھا اسکو کسی دوسرے نے کوئی بیہودہ بات کہی اور پھر اپنے کتے کو پاؤں سے مارا اور کہا کہ اے محمد اٹھ کھڑا ہو اب اس کو قاضی ابو عبداللہ بن کی خدمت میں (جبکہ وہ عہدہ قضاء پر مامور تھے) لایا گیا اس شخص نے ان بکواسوں سے انکار کر دیا۔تو اس پر شہادت طلب کی گئی شہادت مکمل نہ گزرنے کی وجہ سے اس کو پہلے قید میں رکھا گیا پھر اس کو کوڑے مار کر چھوڑ دیا گیا۔(شفاء،ص ۲۲۸)

(۱۰) مالقہ کے قاضی نے کسی عورت کو رات کے وقت قسم دی تھی اس پر کسی شخص نے انکار کیا اور کہا کہ اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی بھی ہوتی تو اس کو دن میں قسم دی جاتی ۔بعض فقہاء نے اس کے قول کو صواب قرار دیا اور امام ابوالمطرف شعبی فقیہ مالقہ نے کہا کہ اس شخص نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی نسبت ایسی بات کہی ہے کہ جس پر ضرب سخت اور دیر تک قید میں رہنے کا ضروری مستحق ہے فقیہہ کہلانے سے ۔اور اس بارہ میں اس کو مشہور کرنا چاہیے اور اس کو جھڑکا جائے اس کا فتویٰ قبول نہ کیا جائے نہ اس کی گواہی لی جائے اور یہ اس میں جرم ثابت ہے اور اس سے اللہ کے لیے بغض رکھا جائے ۔(شفاء جلد دوم،ص ۲۹۴)

علی ہذا القیاس ایسے وقائع و نظائر کتب حدیث و اخلاق میں ہزاروں موجود الا بخوف طوال موجب ملال طبع قارئین کرام اسی پر اکتفاء ہوا۔اہلِ دین وانصاف کے لیے تو یہی کافی تعصب اور عناد مرض لا علاج ہے۔

غرض ہر معزز محترم عنداللہ کا خصوصاً اہلِ بیت پاک وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم وانبیاء عظام علیہ السلام سید الکائنات و مفخر الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام کا بے محل و بے موقعہ بلکہ خاص اہانت واستخفاف کے سیاق میں ذکر کرنا خاص سب وشتم ہے جیسا کہ نظائر مندرجہ بالا سے صاف مبرہن۔

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ اگر زید نے بکواسات مندرجہ سوال دیدہ دانستہ کہے جب کہ اس ناپاک پارٹی کا رویہ ہے اور مشورہ ومنصوبہ سے یہ کام کیا ہے پھر تو یہ شخص مرتد واجب القتل غیر مقبول التوبۃ جیسا کہ در المختار علی ہواشِ رد المختار جلد ۳ ص ۳۰۰ میں ہے وکل مسلم ارتد فتوبته

مقبولة الاجماعة من تکرر ردته علی مامر و الکافر بسب النبی صلی اللہ علیہ و سلم من الانبیاء فانه یقتل حداً و لا تقبل توبته مطقاً انتھی یعنی جو مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کی توبہ قبول کی جا سکتی ہے۔مگر ایک جماعت کی جن میں ایک تو یہ ہے کہ بار بار مرتد ہو جائے اور دوسرا وہ جو کسی پیغمبر علیہ السلام کے حق میں سب بکنے کیوجہ سے کافر ہو تو اس کو حد میں قتل کیا جائے اور توبہ بھی مطلقاً مقبول نہ ہوگی اور شفاء شریف جلد ۲ ص ۲۰۶ میں ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کو گالی دے یا کوئی عیب لگاوے یا تنقیصِ شان کہے آپ کی ذات میں یا کسب میں یا دین میں یا پنی کسی مصیبت میں یا اشارۃ کرے یا آپ کو کسی چیز سے بطریق گالی تشبیہ دے یا آپ کی نا احترامی کرے یا آپکی شان کی تصغیر کرے یا آپ کے عیب لگائے تو یہ شخص آپ کو سب بکنے والا ہے اور اس کا حکم سب بکنے والے کا ہوگا جیسا کہ ہم اس کو بیان کریں گے اور اس کے کسی فعل کو اس مقصد میں ہم مستثنیٰ نہ کریں گے اور نہ ہم اس میں شک و تردد کریں گے یہ گالی صراحتہً ہو یا کنایتہً ہو۔اور ایسا ہی جو شخص (نعوذ باللہ) آپ پر لعنت کرے یا بد دعا دے یا کسی ضرر کی آپکے لیے آرزو کرے یا آپ کیطرف وہ شے منسوب کرے جو آپ کے شان کے لائق نہ ہو بطریق برائی کے یا آپ کے جناب میں سخیف یا بے ہودہ یا بری بات اور جھوٹ بولے یا آپ پر جو تکالیف آتی رہیں ان کی عار دلائے یا آپ میں بعض عوارض انسانیہ جائزہ و معہودہ ہے آپکو معیوب سمجھ کر الزام لگائے اس پر تمام علماء و اماماں مفتیان کا اجماع و اتفاق ہے صحابہ کرام کے عہد سے جہاں تک چلے جاؤ ابو بکر بن منذر کہتے ہیں کہ عام اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص نبی ﷺ کو گالی دے وہ قتل کیا جائے اور جن علماء نے یہ بات کہی ہے کہ وہ مالک بن انس لیث احمد اسحاق ہیں اور یہی مذہب امام شافعی کا ہے اور قاضی ابو الفضل کہتے ہیں کہ یہی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا مقتضیٰ ہے ان سب کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی ۔ اور اس طرح امام ابو حنیفہ اور اس کے شاگرد سفیان ثوریؒ و اہلِ کوفہ و اوزاعی مسلمانوں کے بارہ میں کہتے ہیں۔لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ارتداد ہے اور اس طرح ولید بن مسلم نے امام مالک سے روایت کی ہے اور طبری نے اس طرح امام ابو حنیفہ اور

انکے شاگرد نے اس شخص کے بارہ ہمیں روایت کی ہے کہ جس نے آنحضرت ﷺ کی کسرِ شان کی یا آپ سے بری ہوا یا آپ کو جھٹلایا آہ پھر لکھتے ہیں کہ محمد بن سحنون نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کو گالی دینے والا آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس پر خدا کے عذاب کی وعید جاری ہے۔ امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو شخص اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

ابراہیم بن حسین بن خالد فقیہہ ایسے شخص کے بارہ میں حضرت خالد بن ولید کو پیش کیا ہے کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو اس لیے قتل کیا تھا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی نسبت صاحبکم کہا تھا۔ ابوسلیمان خطابی کہتے ہیں کہ میں مسلمانوں میں سے کسی کو اس کے قتل کے ضروری ہونے میں مخالف نہیں جانتا تھا جبکہ وہ مسلمان ہو انتہیٰ اور اگر ایذا کی غرض ان کلمات سے صرف تصویر کی حرمت وصدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رفعت شان تھی اور انبیاء کرام یا شیرِ خدا یا حضور پاک ﷺ کی ذکر ضمناً آ گیا جیسا کہ محض مؤلین کا اقتباس ہے اور ہم بھی کہتے ہیں خدا کرے ایسا ہی ہو تو ایسے حالت میں زید قتل سے تو بچ سکتا ہے لیکن سزا سنگین کا پھر بھی بدستور مستحق اور توبہ لازم اب اگر توبہ سے انکار کرے تو واجب القتل۔۔۔ اور سزا قاضی کے رائے پر منحصر ہے جو تجویز کرے۔ بہرصورت یہ بکواس خالی جانے کے نہیں۔ جیسا کہ شفاء شریف میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ لیکن وہ شخص جس کے حق میں یہ بات (آپکو گالی دینا) ثابت نہیں ہوئی بلکہ ایک شخص نے یا غیر معتبر لوگوں نے گواہی دی ہو یا اسکا قول ثابت تو ہوا ہے لیکن اس میں احتمال ہے کیونکہ صاف طور پر نہیں اور ایسا ہی اگر اس نے توبہ کر لی اس قول کے جس میں اس کو قابل قبول توبہ قرار دیا گیا ہے تو ایسے شخص سے قتل موقوف ہوگا اور اس پر امامِ وقت کا اجتہاد مسلط ہوگا جو ان امور کے لحاظ کے مطابق ہوگا امور ذیلہ کو مدنظر رکھ اس کی سزا تجویز کرے گا۔ (شفاء شریف جلد ۲، ص ۲۴۹)

(۱) اس معاملہ کی شہرت کیسی ہے (۲) اس پر گواہی زبردست ہے یا ضعیف (۳) اس سے ایسے بکواس عموماً ہو جایا کرتے ہیں (۴) کیا دین کے معاملہ میں سفاہت اور بے باکی سے متہم ہے

۔اب جس کا معاملہ زبردست ہو اس کو سخت سزا دے گا۔یعنی سنگین قید خانہ زنجیروں میں سخت جکڑ دینا جہاں تک کہ اس کی طاقت کی انتہائی انتہا ہو اتنا ہے کہ ضرورت کے لیے کھڑے ہونے کو نہ روکے اس کو نماز کے قیام میں ہارج نہ ہو اور یہی ہر اس شخص کا حکم ہے کہ جس پر قتل واجب ہے لیکن اس کے قتل کو دوسرے معنی کے لحاظ سے موقوف رکھا جائے جو اس کو ضروری بناتا ہے اور اس کے معاملہ میں تاخیر کی جاتی ہے کیونکہ اس میں ایک مانع ہے جس کو اس کا حال متقاضی ہے۔سزا میں سختی کے حالات اس کے حال کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہو جایا کرتے ہیں۔اور ولید نے امام ملک و اوزاعی سے روایت کیا ہے کہ یہ ارتداد ہے تو جب توبہ کرے تو اس پر سزا نہیں۔اور ابو عبد اللہ بن عتاب نے اس شخص کے بارہ میں کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دیں اور اسپر دو گواہ گزرے ان میں سے ایک گواہ عاقل تھا یہ فتویٰ دیا تھا کہ اس کو درد اور رنجدہ سزا دی جائے اور لمبی قید یہاں تک کہ اپنی توبہ ظاہر کرے اور قاضی نے اس طرح کیا ہے۔اور جس شخص کا آخری معاملہ قتل ہو پھر کوئی مانع آجائے جو اس کے قتل میں اشکال پید کر دے تو اس کو قید سے چھوڑنا چاہیے بلکہ دیر تک قید میں رکھنا چاہیے اگرچہ اس کی اتنی مدت ہو کہ وہ اس مدت تک ٹھہر نہ سکے اور اس پر زنجیر اس قدر ڈالے جائیں کہ وہ اٹھا سکے۔اور اس طرح اس شخص کے بارہ میں اس نے کہا ہے کہ کہ جس کا معاملہ مشکل ہو جائے تو اس کو زنجیر میں سخت باندھا جاوے اور اس طرح اس شخص کے بارہ میں اس نے کہا ہے کہ جس کا اس کا حال معلوم ہو جاوے (سزا یا قتل یا چھوڑ دینا) اور دوسرے ایسے مسائل میں اس طرح کیا ہے اور سوا کھلی بات کے خون نہیں کیا جاتا۔اور بے وقوفوں کے لیے کوڑوں اور قید خانہ کی سزا ہوتی ہے اور سخت سزا دی جایا کرتی ہے اور جس پر سواء دو گواہوں کے اور کوئی گواہ نہ گزرا اور مجرم نے ان دونوں کی عداوت ثابت کر دی یا ایسی جرح کی جس کے ان دونوں کی شہادت ساقط کر دی اور یہ بات سواء ان دونوں کے دیگر کسی نے بیان نہیں کی تو ایسے شخص کا معاملہ خفیف ہے کیونکہ اس سے یہ حکم ساقط ہو جائے گا تو گویا اس پر شہادت ہی نہیں گزری مگر اس صورت میں کہ مجرم اس کے لائق ہے اور گواہ مشہور ہوں پھر ان دونوں کی گواہی کو عداوت کی وجہ سے ساقط

کرنا چاہتا ہے سو اگر چہ ان کی گواہی ہے اس پر حکم جاری نہ ہوگا لیکن ان کی سچائی کو یہ بدظنی دور نہ کرے گی اور حاکم کے لیے اس کی سزا دینے میں اجتہاد کا موقعہ ہے اور اللہ تعالیٰ راہ نمائی کا مالک ہے انتہیٰ۔

یہ تمام ماجرے تو صرف حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وانبیاء عظام کے گستاخی کرنے کے تھے اب رہا حضرت شیرِ خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حق میں جو اس نے بے ادبی کی ہے واقعی یہ الفاظ نہایت توہین کے ہیں ایسے الفاظ کسی عام اور معمولی مسلمان کے حق میں بھی کہیں وارد نہیں ہوئے چہ جائیکہ ایسی چیدہ و برگزیدہ ہستی جو کہ شرف صحابیت واہلِ بیت ہونے سے مشرف حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا آپ نے فرمایا کہ اس نے خدا اور اس کے رسول کی توہین کی ہے آئندہ یہ شخص کبھی کسی نماز کی امامت نہ کرائے اور فقہاء شامی وغیرہ لکھتے ہیں حرمة المسلم الواحد ارجح من القبلة اور خود خداوند فرماتا ہے وَلِلّٰہِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (سورة منافقون، ۷) تو جب ایک مسلمان کی اس قدر عند اللہ احترام ہے تو ایسے جلیل القدر اصحاب اہلِ بیت اور مقتداء اسلام کو خاک نعلین سے نسبت بلکہ اس سے کمتر کہہ دینا کیسی توہین وتحقیر بلکہ سب ودشنام ہے شفاء قاضی عیاض کے اخیر میں ہے کہ جو شخص اس آدمی کو سب کرے جس کو اہلِ بیت سے نسبت ہے تو اس کو دردناک مار دینی چاہیے اور اس کو مشہور کیا جائے اور دیر تک قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ اس کی توبہ ظاہر ہو کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں خفت ہے انتہیٰ۔ واللہ الهادی

الحاصل زید اپنے بکواس میں تین معزز محترم عند اللہ ہستیوں کی توہین کی ہے اور ہر ایک توہین کی اس کو علیحدہ علیحدہ سزا دینی چاہیے لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اقامت حدود و تعزیرات ہر ایک کا کام نہیں ہے بلکہ حاکم وقت یا جو اس کی طرف سے اس کام کے لیے تعینات کیا گیا وہ منجانب حاکم۔ ہاں البتہ اقدام جرم کے وقت اگر کوئی مسلمان اس پر قادر ہو جائے تو تعزیز دے سکتا ہے اور وہ وقت گزر گیا تو پھر سوائے حاکم سے اقامت تعزیر ناممکن جیسا کہ درالمختار

جلد ۳ ص ۱۸۶ میں ہے ویقیمه کل مسلم حال مباشرۃ المعصیة قنیة و فلما بعدہ فلیس ذلک تغیر الحاکم یعنی ہر مسلمان تعزیر کی اقامت کرسکتا ہے بوقت اقدام جرم کے اوراس کے بعد سوائے حاکم کے دوسرا کوئی نہیں کرسکتا۔ اور شامی میں ہے کہ اگر اس نے اس مجرم کو اس وقت تعزیر دی جبکہ وہ اس جرم کے ارتکاب میں مشغول تھا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ نہی عن المنکر اور نہی عن المنکر کے تمام مسلمانان مامور ہیں۔ اور اگر فراغت کے بعد تعزیر دی تو یہ نہی میں داخل نہیں ہے کیونکہ جو فعل گزر جائے اس سے نہی ناممکن تو یہ سوائے امام کے دیگر کوئی نہیں کرسکتا۔

اب زید اوراس کے ہم خیال تمام کے تمام اس جرم میں شریک اور مساوی الحال لیکن دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ وقت میں حکومت غیر مسلم ہے جس نے ایسے لوگوں کو ایسے گستاخی و بے باکی کی جرات دلائی تمام مسلمانان ایسے لوگوں کو سزا دینے اور دلانے سے بے بس ہیں۔ ہاں البتہ ایسے معاملہ میں قانونی سزا بھی متصور ہے ممکن ہے کہ کوئی حاکم شرع اہلِ انصاف درد دل رکھنے والا غیرت منداس معاملہ کو محسوس کر کے دفعہ ۵۰۴ تعزیراتِ ہند میں لاکر زید اوراس کے ہم خیال پارٹی کو سزا مناسب دے کر کیفرِ کردار تک پہنچائے۔ کسی لائق بارسٹر وکیل مسلم سے مشورہ لے کر اس کام کو چلانا تمام غیور مسلمانان کا فرض اولین ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عالی میں ایسی گستاخیاں اور بے ادبیاں سن کر مسلمانان کو چپ چاپ بیٹھنے کا کوئی حق نہیں بلکہ غیرت اسلامی کی رگ کو جنبش دے کر تمام اہلِ اسلام اتفاق کر کے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی حفاظت کے لیے سرگرم ہوجائیں اور قانونی حدود کے اندر رہ کر خوب مقابلہ کریں اولاً تو مقدمہ میں ہر ایک مسلم چارہ جو اور مدعی اوراس مقدمہ کے مصارف کے تمام اہلِ اسلام متکفل۔ اوراس مقدمہ کو انتہائی مدارج تک پہنچانا چاہیے۔

اگر خدانخواستہ مقدمہ چل نہ سکے مگر اہلِ اسلام میں اتنی جرات نہ ہو کہ اسکو چلائیں تو کم ازکم اخیری اور نچلا درجہ امر معروف کا بائیکاٹ اور قطع تعلقات ہے خداوند عالم جل شانہ کا خاص ارشاد ہے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۰ (سورۃ الانعام، ۶۸) ان سے تمام تعلقات قطع

کر دیے جائیں اگر امام ہیں تو امامت سے معزول اور اگر کسی مکتب اسلامیہ کے مدرس ہیں تو ان کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے نہ اس سے کلام نہ سلام اور نہ نشست و برخاست غرض کسی مجلس اسلامی میں ان کو ہرگز نہ آنے دیں۔

ضیاء شمس الانوار
فی تحقیق
سماع الابرار وَالفجار

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

الحمد للہ رب العلمین ۔ والعاقبۃ للمتقین۔ و الصلوۃ السلام علی سید المرسلین رحمتہ للعلمین محمد و علیٰ الہِ و اصحابہ و اولادہ اجمعین ۔ اما بعد مسکین احمد الدین بن الشیخ غلام علی الحنفی الچشتی السیالوی عرض پرداز ہے کہ ان دنوں میں ایک رسالہ موسومہ بہ خیر النواہی فی حرمتہ الملاہی مولفہ مولٰنا ،مولوی محمد عین القضاۃ حیدرآبادی بذریعہ بعض احباب بخدمت اقدس سلطان التارکین بُرہان العارفین امام السالکین قدوۃ الواصلین ورثۃ الانبیاء والمرسلین ملجاء الغرباء والمساکین امیر الامراء والسلاطین دلیل المتحیرین انیس المضطرین غوث زمان قطب العالمین سید العلماء سند الاولیاء الکاملین زبدۃ المحققین عمدۃ المدققین قبلۂ عالم منظور حق حافظ الملۃ والدین حاجی الحرمین الشریفین سید المجاہدین غازی الاسلام حامی المسلمین سید نا وسندنا مولانا و مرشدنا حضرت غازی حافظ شیخ الاسلام خواجہ محمد ضیاء الحق والدین ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم و فیوضاتہم علینا وعلیٰ سائر المسترشدین الیٰ یوم الدین آمین یارب العالمین مسند آرائے بلدہ طیبہ سیال شریف کے پہنچا۔ حضور ممدوح نے اُس رسالہ کا جواب تو سردست جناب منشی غلام حیدر صاحب (جو کہ ایک لائق فائق چیدہ برگزیدہ روزگار ہیں ۔اور مدرسہ شریفہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کا محرر ہونے کے علاوہ تمام کاروبار نوشت وخواند اور لنگر شریف کے املاک کی غور و پرداخت انہیں کے سپرد ہے) کو بلا کر مطابق تحقیق رئیس المحققین فخر المدققین جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے لکھوا کر ارسال فرمادیا۔ خود حضور مدارج النبوت کو مدِ نظر رکھ کر تقریر فرماتے رہے۔ اور منشی صاحب موصوف تحریر میں لاتے گئے ۔ چنانچہ حدیث میں رسالہ تیار ہوگیا۔ جو سراپا احقاق حق و ابطال باطل مجسم تھا۔ اُس کے ہوتے ہوئے سالکین مسالک علیہ و عارجین معارج رفیعہ کو اپنے معمولات میں رکاوٹ پیدا نہ ہوگی ۔ اور نہ ہی مخالفین کو اس کے برخلاف دم مارنے کی طاقت رہے گی ۔ حضور قبلۂ عالم کا ارادہ مبارک تو اس مسئلہ میں لکھنے کا بہت کچھ تھا۔ الا مشاغل ضروریہ نے اس قدر فرصت دینے سے انکار کیا۔ لہذا اس ناچیز بے بضاعت کم استطاعت کو رسالہ خیر النواہی

مذکورہ کی تردید کا ارشاد فرمایا تاکہ مخالفین گیدڑ کا پروانہ ہاتھ میں لے کر صوفیۂ کرام کو ستاتے اور اہلِ حق کی ایذا رسانی کے گیت نہ گاتے پھریں۔ گو میری حیثیت اور لیاقت تو اتنی نہ تھی کہ ایسے بارِ گراں کا بوجھ پر سر پر اُٹھاؤں۔ جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

آسماں بارِ امانت نتو انست کشید

قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

خصوصاً وہ مسئلہ جس کی تنقید پہلے وہ مبارک ہستیاں فرما چکی ہیں جو کہ علوم معقولہ ومنقولہ کے ماہر ہونے کے علاوہ دریائے معرفت کے اعلیٰ شناور ہیں۔ گویا مجمع الابحار ہیں۔

پائے من لنگ است ومرل بس دراز

دستِ من کوتاہ خرما پرنخیل

مگر مقتضاء المامور مجبور ارشاد واجب الانقیاد کی تعمیل میں ہوشیار ہمت باندھ لی۔

ہرچہ بادا باد ما کشتی درآب انداختیم یہ خام تحریر اس رسالہ کی جس کو حضور قبلہ عالم نے تالیف فرمایا تفسیر ہے۔

میں امید کرتا ہوں بلکہ یقین سے کہتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ باامدادِ ظاہری وباطنی آں قبلہ دو جہاں کے اللہ تعالیٰ جل جلالہ مجھے اس کارِ عظیم میں کامیابی اور سرفرازی بخشے گا۔

بلبل از فیضِ گل آموخت سخن ورنہ نبود

ایں ہمہ قول وغزل تعبیہ در منقارش

اور اس رسالہ کو جو محض بغرض اِحقاقِ حق لکھا گیا ہے۔ زیور مقبولیت پہنائے گا۔

فعلی اللہ توکلت والیہ انیب اس رسالہ کا نام ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار والفجار رکھا ہے۔ اس کی تحریر گو کتب معتبرہ متفرقہ سے امداد لی گئی ہے۔ الا دو کتابیں جو کہ دو جلیل القدر فاضلوں کی تصنیف ہیں جن کی رفعت وجلالت اظہر من الشّمس ہے بمقتضاء فرمان واجب الاذعان تو اس کی تعین قبل از استدلال ضروری تھی۔ کیونکہ منجملہ شرائط صحت دعوے تبعیین مدعا بھی ہے۔

جیسا کہ عامہ کتب فقہ میں موجود ہے ۔ اور کتب مناظرہ میں بخوبی مذکور ہے۔ بہر حال یہ دعوی جنابکا نہ شرعاً قابلِ سماعت ہے اور نہ رواجاً۔ اب اس مسئلہ کی تحقیق بنا بر اقوال محققین کے کی جاتی ہے۔جس سے حقیقت منکشف ہوجانے کے بعد معلوم ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ کہ فاضل معاصر نے کس قدر گستاخی اور بے باکی سے کام لیا ہے۔ وباللہ التوفیق

بباںگِ دہل بگو نیم آں حکایتہا

کہ از نہفتن اودیگِ سینہ میز د جوش

تحقیق المرام فی ھذا المقام یہ ہے کہ سماع میں قدیماً وحدیثاً قولاً وفعلاً بڑا اختلاف ہے ۔ محدثین وفیہا وصوفیاء کرام کے اقوال میں اس میں اپنے اپنے مشرب کے مطابق متفرق ہیں۔اور آئمہ مجتہدین کے افعال و اقوال بھی اس بارہ میں مختلف ہیں۔ اور روایات بھی اس میں بکثرت وارد ہیں۔ بعضے حرمت اور بعضے کراہت اور بعضے اباحت اور بعضے استحباب پر دلالت کرتے ہیں اور علماء محققین نے جانبین سے رسائل اور فتاویٰ لکھے ہیں ولکل وجھة ھو مو لیھالیکن اگر انصاف کا سرمہ آنکھوں میں لگا کر نظر دقیق سے دیکھا جائے تو حق بین بین ہے۔جس پر فریقین کا اتفاق ہو سکتا ہے۔اور اختلاف بالکلیہ مرتفع ہوسکتا ہے۔مگر یہ ہر ایک کا کام نہیں۔ بلکہ خاص حقائق دان نکتہ شناس کا کام ہے۔

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا ست

نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سماع خواہ مجرد غنا ہو ہو یا مع المزامیر فی حد ذاتہ مباح اور حلال ہے۔اس کی ذات میں نہ کوئی حرمت ہے نہ قباحت ۔ الا بوجہ لحوق عوارض ذمیمہ کے مذموم ہو جاتا ہے۔اور اگر اُن عوارض سے معری ہو تو اپنی حلت پر رہتا ہے۔ گویا اس کے دو قسم ہوئے ۔ ایک مشروع اور دوسرا غیر مشروع۔ مشروع ان روایات کا محمل ہے جو اباحتِ سماع پر دال ہیں۔ بنا علیہ علی الاطلاق حرمت سماع کا فتوے دینا بھی غلط۔اور علی الاطلاق اباحت سماع کا فتوے بھی غلط۔

سماع مشروع وہ ہے کہ مجلس صلحاء میں بغرض صالح استعمال کیا جائے تو اس کی تعیین قبل از استدلال ضروری تھی۔ جیسا کہ عامہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور کتب مناظرہ میں بخوبی مذکور ہے۔ بہرحال یہ دعوے جناب کا نہ شرعاً قابلِ سماعت ہے اور نہ رواجا۔ اب اس مسئلہ کی تحقیق بنا بر اقوال محققین کے کی جاتی ہے۔، جس سے حقیقت منکشف ہوجانے کے بعد معلوم ہوجائے گا انشاء اللہ تعالیٰ کہ فاضل معاصر نے کس قدر گستاخی اور بے باکی سے کام لیا ہے۔ وباللہ التوفیق

سماع مشروع وہ ہے کہ مجلس صلحاء میں بغرض صالح استعمال کیا جائے اس کی اباحت میں توکوئی بھی اہلِ حق شک نہ کرے گا۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور کبار صحابہ کے افعال واقوال اس کی سرکوبی کردیں گے اور غیر مشروع وہ ہے جو مجلس فساق میں بغرض لہو ولعب مستعمل ہو۔ اس کی حرمت میں کوئی بھی شک نہیں کرتا۔ اب پہلا قسم سماع بلا تفاق حلال اور دوسرا بلا تفاق حرام فارتفع الاختلاف من البین باذن رب الخافقین اس مدعا کے اثبات میں وجوہات و دلائل پیش کیے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ الا پہلے وجہ اختلاف علماء کرام اس سماع میں ذکر کرنی ضروری ہے۔ بعدہ حقیقت حال پر روشنی ڈالی جائے گی وباللہ التوفیق۔

وجہ الاختلاف فے السماع:

امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں وغیر ہما فی غیر ہما میں ذکر کیا ہے۔ کہ سماع زمانہ قدیم سے عموماً فاسقوں اور شراب خوروں میں رائج تھا۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں بھیجا گیا ہوں اور امر کیا گیا ہوں کہ معازف کو محو کردوں اور زنا اور شراب سے منع کردوں ازیں سبب غنا کا نام بھی لہو ہوگیا۔ اور ملاہی کے باب میں اس کو ذکر کرنے لگے۔ پھر جب بحسب تعلیم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان امور منکرہ یعنی شراب خوری کے آثار محو ہوگئے ۔ اور منکرات کا ازالہ ہوگیا۔ اور یہ رسم و عادت مسلمانوں میں نہ رہی۔ تو صالحان اور پارسایان بھی اس میں پڑ کر محظوظ ہونے لگے۔ اور فسق ومنکرات اور اُن کی مجالس سے پرہیز میں رہے۔ اور دوسری جماعت نے جب دیکھا کہ یہ عادت فاسقوں کی ہے۔ اور اس میں شامل ہونے

سے ان سے مشابہت لازم آئے گی۔اور یہ بھی لحاظ تھا کہ ہمارے خیالات بھی ویسے نہ ہو جائیں۔ تو اس سے پرہیز میں رہے۔اب اگر شارع سے بایں غرض کوئی وعید یا تہدید وارد ہوئی ہو تو بعید نہیں۔اور یہ جو محدثین کہتے ہیں کہ سماع کی حرمت میں کوئی نص شارع سے ثابت نہیں ہوئی۔اور نہ حدیث صحیح آئی ہے۔ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ علی الاطلاق حرمت سماع کی ثابت نہیں ہوگی۔ خواہ مجالس فساق ہو یا صلحاء اور نہ اس کی حرمت ذاتی ثابت ہوتی ہے۔جیسا کہ زنا وشراب کی حرمت ذاتی ثابت ہوئی ہے بلکہ حرمت صرف اسی حالت میں ہے جب مجلس فساق بغرض تماشا اور لہو ولعب کے ہو۔

اس حال کی مثال قصہ برتنوں کا ہے۔جن میں قدیم زمانہ میں شراب کا استعمال کیا جاتا تھا۔ جن کے نام ختم مزفت فقیر دیا تھے۔جب شراب حرام ہوگئی۔تو ان برتنوں کے استعمال سے بھی ممانعت آگئی۔نہ اس واسطے کہ ان میں کوئی ذاتی قباحت ونجاست تھی۔ورنہ بعد میں ان کا استعمال مباح نہ ہوتا۔ بلکہ بغرض مٹانے آثار شراب کے پھر جب شراب کی حرمت مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔اور لوگ اس سے بالکل منحرف ہوگئے۔اور آثار کے مٹانے کی حاجت نہ رہی تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت آگئی۔مگر پھر بھی ان برتنوں کے بارہ میں علماء کرام کی دو جماعتیں ہو گئیں۔بعض ان کی حرمت سابقہ پر رہے۔اور ان کو اجازت جدید نے کچھ بھی نہ ہلایا۔اور بعض نے اجازت جدید کو قابلِ عمل تصور کرکے اس کو اپنا معمول بہ قرار دیا کما ہو مصرح فی موضعہ

اب اس مسئلہ سماع میں بھی علمائے کرام کے دو فرقے ہوگئے۔ایک تو بنظر عادت ورسم قدیم جو کہ مجلس فساق کے فروغ دہ ہونے کی وجہ سے احتیاط پر پابند ہو کر ایسے ہی ٹھہر گئے۔اور تقویٰ اور ورع نے ان کو ایسی مجالس کی حاضری سے روک رکھا۔تاہم اس سے حرمت سماع ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔کیونکہ اگر کوئی شخص اطعمہ لذیذہ کھانے سے اس غرض سے پرہیز کرے۔کہ شاید نفس امارہ تازگی میں آکر کہیں غالب نہ ہو جائے۔تو اس سے اس کھانے کی حرمت کب ثابت ہوتی ہے کلا و حاشا اور دوسرے فریق نے حقیقتِ حال سے واقف ہو کر یہ فیصلہ کر دیا۔کہ اگر اس میں علامات

فسق و فجور رہیں تو حرام ہے ورنہ حلال ہے۔ اصل حقیقتِ حال تو یہ ہے۔ آ گے فاضل معاصر جیسے فہیم انسان کے ہاتھ میں قلم آ گئی جو دل میں آیا لکھ دیا۔

الاستدلال علی اباحۃِ السّماعِ:

پیشتر مذکور ہوا۔ کہ سماع کے دو قسم ہیں۔ مشروع و غیر مشروع۔ غیر مشروع کے دلائل و جوہات تو فاضل معاصر نے اپنے رسالہ میں بڑی دھوم دھام سے بھرپور کر دیے ہیں۔ ان کے دوہرانے کی کوئی حاجت نہیں۔ لہذا سماع مشروع کے چند وجوہات و دلائل بطور مشت نمونہ خروارے ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔ اور اس کا فیصلہ ان کی فطرت سلیمہ پر رکھا گیا ہے۔

الاول اصل حلت و اباحت سماع کی دلیل یہ ہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں ذکر کیا ہے۔ کہ خود جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکہ کے روز سورۃ فتح کو ترجیع کے ساتھ تلاوت فرمایا۔ گو بعض شراح اس حدیث کی یوں تاویل کرتے ہیں کہ یہ ترجیع اختیاری یعنی غنا نہیں تھا۔ بلکہ اضطراری بوجہ جنبش ناقہ جس پر آپ سوار تھے ہوئی تھی۔ لیکن اس تاویل کو شیخ محدث نے رد کر دیا۔ اور کہا کہ اگر ترجیع اختیاری نہ ہوتی تو عبداللہ بن مغفل اس کو حکایت نہ کرتے۔ تاکہ لوگ اس کے ساتھ اقتدا کریں۔ اور ترجیح کو حضور کی طرف نسبت نہ کرتے۔ علاوہ ازیں احادیثِ ذیلہ قولیہ میں صریحاً تغنی بالقرآن کی ترغیب دی گئی ہے۔ (۱) زَینُوا القرُآنَ بِاَصوااتِکمُ یعنی زینت دہید قرآن را با آواز ہائے خود۔ یعنی قرآن شریف کو خوش آواز سے پڑھ کر زینت دیا کرو۔ (۲) لَیسَ مِنّا من لَم یتغَنّ بالِقرآنِ یعنی جو شخص قرآن کو بغیر راگ کے پڑھے گا وہ ہمارے سے نہیں ہے۔ (۳) لِکُلِ شیئِ حِلیۃُ و حلیہُ القرآنِ حُسنُ الَصوتِ۔ یعنی ہر چیز کے لیے زیور ہیں۔ اور قرآنِ شریف کا زیور خوش آوازی ہے۔ (۴) ایک رات ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (کہ بڑے خوش آواز تھے۔ اور خوش خواں بھی۔ اور حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں فرمایا ہے اُعطی مزمارا من مزامیر ال داود) قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خفیہ طور سنتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے ابو موسیٰ کو اطلاع دی۔ ابو

موسیٰ نے کہا کہ افسوس اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ میرا قرآن شریف سنتے ہیں۔تو میں زیادہ خوش الحانی سے پڑھتا۔ فائدہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔بعض غناء کے ساتھ قرآن شریف کو پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں۔خواہ اس میں افراط اور شباع حرکات میں کیوں نہ آجائے خواہ قوانین موسیقی یعنی راگ کے ساتھ بھی پڑھا جائے۔اور بعض مطلقاً منع کرتے ہیں۔اور حق جو کہ انصاف کا دائرہ کا مرکز ہے۔وہ یہ ہے کہ خوش الحانی اور تغنی بالقرآن کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بدون تکلف و تصنع کے خود بخود صادر ہوتی جائے۔جیسا کہ ابو موسیٰ سے ہوتی تھی۔دوسرے یہ کہ تصنع کے ساتھ ہی کیا جائے۔پہلا قسم جائز بلکہ مستحسن ہے۔اور دوسرا نا جائز الکل فی المدارج۔

الثانی یہ کہ امام بخاری نے ربیع بنت معوذ سے روایت کیا ہے کہ جب میری شادی ہوگئی تو سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے پاس تشریف لا کر بیٹھ گئے۔اتنے میں دو لڑکیاں آکر دف بجانے اور شہداء بدر کے محاسن گانے شروع کر دے۔اتنے میں ان میں سے ایک نے یہ مصرع پڑھا۔

و فینا نبی یعلم ما فی الغد یعنی ہمارے بیچ میں نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔کہ اس لفظ کو چھوڑ دو۔اور پہلا مضمون گاتے چلیو

الثالث یہ کہ امام بخاری نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔کہ ایک عورت کی شادی ایک مرد انصاری کے ساتھ کی گئی۔آپ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ لہو یعنی گانا بجانا کیوں نہیں۔کیونکہ انصار لوگ لہو کو پسند کرتے ہیں۔

الرابع یہ کہ امام مسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رواایت کیا ہے۔کہ ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرے پاس دو لڑکیاں گاتی اور دف بجاتی تھیں۔اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منہ مبارک پر کپڑا اوڑھا ہوا تھا۔ابو بکر نے ان کو منع کیا آپ نے منہ مبارک سے کپڑا اتار کر فرمایا۔چھوڑ وان کو اے ابو بکر عید کے ایام ہیں۔

الخامس یہ کہ امام احمد و ترمذی و نسائی و ابنِ ماجہ حاطب سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ فصل ما بین حلال وحرام کے آواز (گانا) اور دف کا بجانا ہے۔مطلب اس

حدیث کا یہ ہے کہ جس نکاح میں گانا اور بجانا ہو وہ جائز ہوتا ہے۔ اور جس میں یہ نہ ہوں تو وہ نکاح کالعدم ہے۔

السادس یہ کہ ابنِ ماجہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک رشتہ دار عورت کی کسی انصاری کے ساتھ شادی کردی۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لائے پوچھا کہ تم نے عورت کو بھیج دیا ہے یعنی اس کی شادی ہوگئی۔ عرض کیا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ساتھ کوئی گانے والی بھیجی یا نہ۔ عرض کیا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قوم انصار کو گانے کا بڑا شوق ہے۔ اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا آدمی ہوتا۔ تو یہ شعر گاتا جاتا تو اچھا ہوتا۔

اتینا کم اتینا کم

فحیانا و حیاکم

یعنی آتے ہیں ہم تمہارے پاس آتے ہیں ہم تمہارے پاس۔ پس مبارک ہو ہمیں اور مبارک ہو تمہیں۔

السابع یہ کہ ابنِ ماجہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کے کسی محلہ میں تشتریف لے جارہے تھے۔ وہاں عورتیں یہ شعر دف اور راگ کے ساتھ گاتی تھیں

نحن جوار من بنی النجار

یا حبذ ا محمد من جار

یعنی ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارعجیب پڑوسی ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ کہ میں تم کو دوست رکھتا ہوں۔

الثامن یہ کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگِ تبوک سے بفتح ونصرت واپس تشریف لائے تو عورتوں نے مبارک بادی میں یہ شعر پڑھا۔

طلع البدر علینا من ثنیة الوداع

وجب الشکر علینا مادعی اللہ الدع

یعنی ثنیۃ الوداع سے ہم پر چاند طلوع کیا۔ہم پر شکر واجب ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے والا دعا مانگے۔

التاسع یہ کہ صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خندق کی کھودائی کے وقت صحابہ یہ شعر پڑھتے تھے۔

نحن الذین بایعو محمدا

علی الجھاد مابقینا ابدا

یعنی ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ جہاد پر بیعت کی جب تک زندہ رہیں گے۔اور حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جواب میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

واللہ لو لااللہ ما اھتد ینا

ولا تصدقنا و لا صلینا

وانزلن سکینة علینا

وثبت الا قدام ان لاقینا

ان الا ولی قد بغو علینا

اذا اراد و افتنة احینا

اور کلمہ احینا کو باربار دوہراتے۔اور آواز کو بلند فرماتے تھے ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے۔خدا کی قسم ہے کہ اگر خدا نہ ہوتا تو ہم ہدایت پر نہ آتے۔اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔یا اللہ ہمارے اوپر سیکنت نازل کر۔اور جب ہم دشمنوں کا مقابلہ کریں تو ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔یہ لوگ ہمارے اوپر بغاوت کرتے ہیں۔جب فتنہ کا ارادہ کریں تو ہم انکار کرتے ہیں۔

فتلک عشرة کاملة

علیٰ ہٰذا القیاس اس مضمون کی احادیث کو اگر لکھا جاوے تو ایک دفتر وسیع چاہیے لہذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے **والعاقل تکفیه الاشارة**

الحاصل ان احادیث کی عبارت النص نے مواقعات ذیلہ میں گانے بجانے کو ثابت کر دیا (۱) شادی کے وقت عام ازیں کہ خاص بوقت انعقاد نکاح ہو جیسا کہ احادیث میں مروی ہے **ایلنو النکاح ولو بالدف** یعنی ظاہر کرو نکاح کو اگرچہ دف کے ساتھ بھی ہو۔ یا بوقتِ زفاف یا بعد ازاں (۲) خوشی مباحہ کی مبارکبادی کے وقت (۳) خوشی پہنچنے کے وقت (۴) دوستوں کی ملاقات کے وقت (۵) کسی نیک کام کی تحریص و ترغیب کے وقت اور ان کی اشارۃ النّص نے مواقعات ذیلہ میں گانے بجانے کی اجازت دے دی۔ اور حقیقت بتلا دی۔ (۶) ولیمہ کے وقت (۷) عقیقہ کے وقت (۸) ختنہ کے وقت (۹) اعراس بزرگانِ دین کے وقت (۱۰) ختم قرآنِ شریف کے وقت (۱۲) ولادت لڑکا کے وقت جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے۔

فائدہ واضح ہو کہ اعراسِ بزرگانِ دین میں جو سماع مروج ہے وہ بھی انہیں احادیث سے مستنبط ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا شیخ الہند مولوی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ لفظ عرس اس حدیث سے ماخوذ ہے **نُم کنومة العروس** یعنی بندہ صالح سے کہا جاتا ہے کہ عروس کی طرح آرام کر، کیونکہ موت مقبولان الٰہی کے حق میں وصال کی دو لحاظ سے مشروعیت ہو گی اول یہ کہ اس دن اس بزرگ کا وصال ہوا ہے **الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب** چونکہ دوستوں کی ملاقات کے وقت سماع ماثور و منقول ہے کہ جیسا کہ احادیث سابقہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ تو اولیائے کرام جنہوں نے تمام عمر محبت الٰہی میں فنا کر دی۔ جب وہ اپنے محبوب کو ملیں اس دن سماع نہایت مستحسن ہو گا۔ وہ نہایت ہی خوشی کا دن ہے۔

خرم آں روز کزیں منزل ویران بردم
راحتِ جان طلبم بردرجاناں بردم

دوئم یہ کہ ایسے موقعہ میں ہزاروں صلحاء و اولیاء جمع ہو کر آپس میں ملتے جلتے ہیں یہ دن ان

کے لیے وصالِ مہجورین کا روز ہے۔تو اس لحاظ سے بھی سماع مستحسن ہوگا۔

الحاصل اس بیانِ بسیط سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضورِ کریم ﷺ کے سامنے آپ کی اجازت سے غنا مع المزامیر کا استعمال کیا گیا۔ بلکہ خود حضور ﷺ نے کلامِ الٰہی کو خوشی فتح میں اسی لہجہ سے پڑھا اور ابو موسیٰ اشعری سے بھی خوش الحانی سے سنا۔ اور خوش الحانی سے پڑھنے کی ترغیب بھی دی۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس طرح نہ پڑھے گا وہ ہمارے سے نہیں اور اشعار مناسبہ خود بھی پڑھے۔ اور صحابہ کبار کے ساتھ مشاعرہ بھی فرمایا۔ اب بتلایئے کہ وہ کون سی چیز باقی رہی جس کو فاضل معاصر حرمت کا حکم لگا بیٹھے ہیں۔فعل رسول اکرم ﷺ کو تو کسی کی مجال نہیں کہ حرام کہہ سکے۔ اب قرآن شریف کو راگ سے پڑھنا اور اس کو کان دھر کر سننا اور اشعار کا پڑھنا اور سننا اور دف بجانا یہ سب تو طیب حلال ہیں۔ باقی حرمت کس کے حصہ میں آئے گی۔ البتہ وہ اشعار جن کا مضمون مذموم ہو یا وہ سماع جو محافل فساق میں بغرض لہو ولعب ہو تو اس کی حرمت و قباحت پر تو اتفاق ہے۔لیکن غنا کو علی الاطلاق حرام کہہ دینا ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

من نمیدانم کہ ایں سخن ترا تقریر چیست

خود بگو آخر ز تقریرِ سخن اے بو الہوس

قال اور ایسا ہی جتنے آلاتِ ملاہی ہیں جن کو معازف کہتے ہیں۔سب حرام ہیں۔

اقول و باللہ التوفیق یہاں تو جناب نے حرمت معازف کی ایسی تعمیم کی جس سے کسی جزئی کے نکلنے کا احتمال تک نہ چھوڑا۔لیکن آگے جا کر بعض معازف کو اس حرمت سے مستثنیٰ کر بیٹھے۔لہذا اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر اس حرمت کی تعمیم ہی مقصود تھی تو پھر تخصیص کیسی۔اور اگر تخصیص ہی منظور تھی۔تو یہاں ایسی تاکیدی تعمیم کیسی۔بہر کیف یہ دعویٰ بھی قابلِ ترمیم ہے۔

مزن بے تامل بگفتار دم

نکو گوے گر دیر گوئی چہ غم

باقی رہی معازف کی حلت یا حرمت۔اس کی نسبت ذرا کان رکھ کر سنیے۔

تحقیق المرام فی ھذا المقام یہ ہے کہ فی الاصل و فی حد ذاتہ تمام انواع معازف و مزامیر مباح ہیں۔ان میں ذاتی حرمت ہرگز نہیں۔ بلکہ عوارض ملحقہ کی وجہ سے کبھی حرمت عارض ہوجاتی ہے۔اوران عوراض مذمومہ کا عنقریب ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔تو گویا مزامیر بھی دوقسم ہیں ایک مشروع دوسرے غیر مشروع۔یعنی اگر عوارض ذمیمہ سے معری ہیں تو مشروع ہیں۔اوراگر عوارض ذمیمہ کے ساتھ ملحق ہیں تو غیر مشروع۔اب جن روایات کا مفاد اباحت ہے ان کا محمل پہلا قسم ہوگا اور جن کا مدلول حرمت ہے ان کا محمل دوسرا قسم ہوگا **فحصل الوفاق و ارتفع الشقاق** اور چونکہ فاضل معاصر نے روایات محرمہ کو اپنے رسالہ میں بکثرت ذکر کردیا ہے۔اس لیے ان سے اعراض کر کے صرف روایات محللّہ کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے ناظرین خود فیصلہ کر کے میرے مدعا کی تائید کردیں گے۔

الاستدلال حدیث شریف میں ہے کہ ایک عورت نے حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نذر کی وفا کرو یعنی میرے روبرو دف بجا رواہ ابوداؤد اور یہ بھی حدیث شریف ہی **لانذر فی معصیة رواہ ابو داود و الترمذی و النسائی** یعنی گناہ کے کام کی اگر نذر مانی جائے تو اس کی وفا لازم نہیں ہوتی۔تو ان دونوں صورتوں سے مابہ الاشتراک اباحت دف علی الاطلاق ثابت ہوگیا۔ورنہ وفاءِ نذر کا حکم نہ فرماتے نیز احادیث متقدمہ سے بخوبی روشن ہوا کہ حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دف مواقع مختلفہ میں آپ کے حکم سے بجائی گئی ہے۔اگر حرام ہوتی تو آپ بنفسِ نفیس اس کو ہرگز نہ سنتے دوسرا قسم معازف کا عود ہے جس کو بربط بھی کہتے ہیں۔اور اس کی تاریں ہوتی ہیں۔جنکو زیروبم کہتے ہیں۔اورغیاث اللغات میں ہے کہ عود کو ہندی میں طنبور اور رباب کہتے ہیں۔شیخ محدث دہلوی نے کہا ہے کہ عبداللہ بن جعفر وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن زبیر ومعاویہ بن ابی سفیان وعمرو بن عاص وحسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان جملہ صحابہ کبار سے منقول ہے کہ بربط کو سنا کرتے تھے۔اورغیر صحابہ سے عبدالرحمن بن حسان وخارجہ بن زید جو

فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں ان سے بھی اس کا سماع منقول ہے۔ اور استاد ابو منصور نے زہری و سعید بن مسیب وعطا بن ابی رباح وشعبی و دعبداللہ بن ابی عتیق وا کثر فقہاء مدینہ منورہ سے اس کا سماع نقل کیا ہے۔ اور جلیلی نے عبدالعزیز بن ماجشون سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ عود کے سننے میں رخصت دیتے تھے ابراہیم بن سعد نے ایک دن رشید کے پاس آکر عود طلب کیا۔ رشید نے پوچھا کہ عود مرمر یا مجمر۔ ابراہیم نے کہا کہ عود مرمر۔ تو رشید نے سرود عود حاضر کر دیا۔ جس کو اس نے خوب بجایا۔ اور غنا وعود کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا۔ اور ابنِ سمعانی نے طاؤس سے اس کے جواز کو نقل کیا ہے۔ اور فاکہی نے تاریخ مکہ میں ذکر کیا ہے کہ ایک دن موسیٰ بن معمر نے عطا بن ابی رباح کو بلایا۔ جب وہ آئے تو وہاں کچھ لوگ گاتے تھے۔ اور عود بجاتے تھے۔ ان کے آنے سے وہ رک گئے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک گائیں بجائیں نہیں تو ہرگز نہ بیٹھوں گا۔ پھر انہوں نے اسی طرح گانا بجانا شروع کر دیا۔ وہ بیٹھ کر سنتے رہے۔ ان روایات سے عود کا جواز بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ اگر حرام ہوتا ایسے جلیل القدر صحابہ وتابعین وفقہا ومتورعین ومحدثین اس کو ہرگز نہ سنتے۔ یہ ہمارے مقتداء و پیشوا ہیں۔ اُن کے افعال و اقوال ہمارے لیے سند ہیں۔ ان کے افعال ہوائے شہوانی وخواہش نفسانی پر ہرگز محمول نہیں ہو سکتے۔ تو ضرور ہے کہ ان اکابر کو شارع کی اجازت کا علم ہوگا۔ ورنہ ایسا کام جو خلافِ شریعت ہو ان سے ابعد بمراحل ہے **فثبت ان العود حلال مباح سماعها۔**

جب دف اور عود کی اباحت وحلت صریحاً ثابت ہوگئی۔ تو باقی جمیع اقسام مزامیر ومعازف کو ان پر قیاس کر کے جملہ مزامیر کو حلال ومباح سمجھا جائیگا۔ اور جہاں تک ان سے کوئی عوارض ذمیمہ عارض نہ ہو تو اُنکو حرام نہ کہا جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ جملہ مزامیر کے آواز دوصورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو ان سے غرض تشہیر ہوتی ہے یا تطریب۔ پہلی صورت دف میں موجود ہے۔ اور دوسری عود میں۔ پس جو آلات مشہرہ ہیں وہ تمام دف پر مقیس ہوں گے۔ اور جو مطربہ ہیں وہ عود پر۔ اور مابہ الاشتراک ان کے وہی دو امر ہیں جو مذکور ہوئے۔ ہاں اگر بغرض لہو ولعب بجائے جائیں تو اُن

کی حرمت عارضی ہوگی نہ ذاتی ۔ اور یہ حرمت جمیع انواع مزامیر کو شامل ہوگی خواہ دف ہو یا عود یا غیر اس کے۔اب اس مدعا کی تصدیق کے لیے روایات فقہیہ ذکر کیے جاتے ہیں ۔

علامہ شامی نے ردالمحتار میں کہا ہے **والطبل از اکان لغیر اللھو فلاباس به کطبل الغراۃ والعرس لمافی الاجناس ولا باس ان یکون لیلۃ العرس دف یضرب به لیعلن به النکاح وفی الولو الجیۃ** یعنی طبل اگر بغرض لہو نہ ہوتو کوئی خوف نہیں مثل طبل غازیوں اور شادی کے کیونکہ اجناس میں ہے کہ کوئی خوف نہیں کہ شادی کی رات دف بجائی جائے ۔تا کہ اس نکاح کا اعلان کیا جاوے۔اور ولوالجیۃ میں ہے

وان کان للغزو والقافلۃ یجوز اتقانی ملخصا انتھی کتاب الاجارہ

کہ اگر غازیوں اور قافلہ کے لیے ہے اسی طرح اتقانی میں مختصراً۔

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے **رجل استاجر رجلا لیضرب الطبلان کان للھو لایجوز وان کان الغزدو القافلۃ یجوز کذافی غایۃ البیان انتھی** اور ولوالجیہ میں ہے **رجل استاجر ورجلا یضرب له الطبل ان کان للھو لا یجوز وان کان للغزو والقافلۃ یجوز لانه طاعۃ انتھٰی ونقل من العتاب قال ابو بکر الوراق لکل قوم مزامیر ومزامیر العرب والعراق والخراسان الدف وما یلتوی به کالضج والناء ومزامیر البدوی الدھل وما یلتوی به ومزامیر اھل الھند الدخص وھو ثنئ یتخذ من الخذف مجوف مطول له طرفان یمینه اشد صوتا من الیسار یقال له بالفارسیۃ مندل وھو دھل الھند وما یلتوی به والشرع اباحۃ حالۃ التزوج اماقبله وبعده فحرام کذافی ملتفط النسفی انتھی۔**

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے اگر کسی نے کسی طبل بجانے کے لیے اجیر بنایا۔اگر بغرضِ لہو تو جائز نہیں اور اگر غازیوں اور قافلہ کے لیے ہوتو جائز ہے۔اسی طرح غایۃ البیان میں ہے اور ولو الجیہ میں ہے اگر کسی نے کسی کو طبل بجانے کے لیے اجیر بنایا۔اگر لہو کے لیے ہوتو ناجائز ہے اور اگر غازیوں یا قافلہ کے لیے ہوتو جائز ہے۔ کیونکہ یہ طاعت اور عبادت ہے اور عتاب ہے۔منقول

ہے کہ ابوبکر وراق نے کہا ہے کہ ہر قوم کے مزامیر ہیں اور عرب وعراق وخراسان کا مزامیر دف ہے۔ اُس کے مشابہ مثل ضج اور بدوی کے مزامیر دہل یعنی ڈھول ہے یا اس کے مشابہ اور اہل ہند کا مزامیر دخص ہے۔ وہ ایک خذف سے بنی ہوئی میان خالی۔ جس کی دو طرفیں ہوتی ہیں۔ دائیں کا آواز بائیں سے زیادہ ہوتا ہے اس کو فارسی میں سندل کہتے ہیں۔ وہ ہندی ڈھول ہے یا اس کے مشابہ اور شریعت نے اس کو شادی میں مباح کیا ہے۔ آگے پیچھے حرام۔

میرے مدعا کی فقہا (حنفیہ نے پوری پوری تصدیق کر دی ہے۔ یعنی شادی وغیرہ امور شرعیہ میں صرف دف کی خصوصیت نہیں بلکہ جملہ مزامیر اس میں علی السو جائز۔ غرض بہر حال کسی آلات مزامیر کی حرمت ذاتی نہیں۔ اگر ہے تو بوجہ عوارض ذمیمہ لاحق ہو جاتی ہے۔ اگر اس پر بھی آپ کو تسلی نہ ہوئی ہو تو ہم اس کی سند پیش کرتے ہیں جس سے بشرط انصاف آپ کو پورا اطمینان ہو جائے گا۔ شامی ردالمختار میں لکھتے ہیں:

هذا يفيد ان اٰلة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها اما من سامعها او من المشتغل بها و به تشعر الاضافة الا ترى ان ضربة تلك الاٰلة بعينها حل تارة و حرم اخرى باختلاف النية و الامور بمقاصدها و فيه دليل لسادا تنا الصوفية الذين يقصد و ان بسماعها امور اهم اعلم بها فلا يبادر المعترض باالانكار و كيلا يحرم بر كتهم فانهم السادة الاخبار امدنا اللّٰه تعالٰى بامداداتهم و اعاد علينا من صالح دعواتهم و بر كاتهم انتهٰى۔

یعنی اس سے ثابت ہوا کہ مزامیر میں ذاتی حرمت کوئی بھی نہیں۔ بلکہ لہو کی نیت ہونے سے آ جاتی ہے۔ خواہ سننے والے سے یا بجانے والے سے اور لہو کی اضافت حدیث کی طرف سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھئے کبھی یہ خاص مزامیر حلال ہوتے ہیں اور کبھی حرام بوجہ اختلاف نیت کے اور کام نیت پر منحصر ہوتے ہیں۔ اس میں ہمارے صوفیائے کرام کی دلیل ہے کہ ان کی نیت اس سماع میں وہ ہوتی ہے جو خود ہی جانتے ہیں۔ پس کسی کو مناسب نہیں کہ ان پر انکار کرے

مبادا کہ ان کی برکات سے محروم ہو جائے۔ وہ اچھے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ ان کی امداد ہم پر بھیجے اور ان کی نیک دُعائیں و برکات ہم پر اُتارے۔

لیجیے اب تو علامہ شامی نے آپ کے تمام شکوک رفع کر دیے اور فاضل کے دعوے کی بیخ کنی کر دی۔ پھر سنیئے امام غزالی نے احیاء میں لکھا ہے کہ کسی مزامیر کی حرمت بالکل ثابت نہیں۔ خواہ دف ہو یا طبل یا غیر اس کا مگر وہ کہ جس سے منع شرعی وارد ہوئی ہو۔ نہ اس واسطے کہ ان سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ ورنہ تمام لذیذ چیزیں حرام ہوتیں۔ بلکہ واسطے مقارنت محرمات یعنی لہو ولعب و شراب وغیرہ کے۔ میں حیران ہوں کہ فاضل معاصر کس گھمنڈ میں اگر علی الاطلاق حرمت جمیع انواع مزامیر کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں۔ محدثین اور فقہاء کی بات نہ سننے کے علاوہ اپنے استاد مولانا مولوی عبدالحی لکھنوی کی بات کی پروانہ کی۔ بلکہ صاف مخالفت کی جیسا کہ وہ مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۲ ص ۲۵ میں لکھتے ہیں:

وما نقل عن بعض انهم يحرمون المعازف كلها ويستدلون بالحديث قول لايعباء به منشائه عدم معرفتهم بكتب الحديث والفقه انتهى

یعنی یہ جو بعض سے منقول ہے کہ جملہ معازف کو حرام کہتے ہیں اور حدیث شریف سے استدلال پکڑتے ہیں یہ قول ان کا غیر معتبر ہے۔ اس کی منشا اور وجہ یہ ہے کہ کتب حدیث اور فقہ کی مہارت نہیں رکھتے۔

اس بیان سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ مزامیر فی الاصل حرام نہیں ہیں۔ بلکہ مباح ہیں بوجہ عوارض لاحقہ کے البتہ حرام ہو جاتے ہیں۔

العوارض المحرّمة للسّماع

پہلے مشرحاً مذکور ہوا کہ غنا خواہ مجرد ہو یا مع المزامیر فی نفسہ مباح ہے۔ اس میں ذاتی حرمت یا کراہت ہرگز نہیں۔ البتہ عوارض مذمومہ کے سبب سے حرمت یا کراہت لاحق ہو جاتی ہے اور جب ان عوارض سے مبرا ہو تو نہ حرام ہے نہ مکروہ بلکہ مباح ہے اور عوارض بحسب تصریح امام غزالی

پانچ ہیں اور ایک زیادہ کیا گیا ہے۔کل چھ ہیں:

1 یہ کہ مغنیہ عورت نامحرمہ ہوجس کی طرف نظر کرنا اور اُس کا آواز سننا بوجہ خوف فتنہ شرعاً ناجائز ہو۔ یا نابالغ لڑکا صبیح الوجہ ہو جو محل شہوت ہونے کی وجہ سے مثل عورتوں کے ہو۔ ان سے سننا حرام ہے نہ اس واسطے کہ غنا حرام ہے۔ بلکہ خوف فتنہ سے۔ کیونکہ ایسوں سے بات چیت کرنا بلکہ قرآن شریف کا سننا بھی ناجائز ہے۔اب اگر خوف فتنہ نہ ہوتو حرام نہیں ہے۔

2 یہ کہ مزامیر ایسے ہوں جن کی خصوصیت شراب خوروں اور مخنثوں کے ساتھ ہو جن کے استعمال سے اُن کی مشابہت لازم آتی ہو اور اگر ایسے نہ ہوں تو حرام نہیں۔یعنی جو مزامیر صلحاء کی مجالس میں مروج ہو گئے ہوں تو ان کی حرمت نہیں رہتی۔

3 یہ کہ اس مجلس میں قوال ایسی غزلیں پڑھیں جن میں فحش اور بے ہودہ بکواس ہو یا کسی مسلمان کی ہجو ہو یا خداوند تعالیٰ یا رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افترا ہو یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہتان ہو جیسا کہ روافض وغیرہ کرتے ہیں۔ایسا سماع خواہ منظومہ ہو یا منثورہ خواہ خوش الحانی سے ہو یا نہ، سب حرام ہے۔قائل اور سامع دونوں شریک فی لاثم ہوں گے یا کسی عورت خاصہ کی وصف مردوں میں کی جائے یہ سب کے سب حرام ہیں۔

4 یہ کہ سننے والے پر شہوت غالب ہو اور بدخیال ہو۔ اس حد تک کہ اشعار محمودہ کو محافل مذمومہ پر متحمل کر کے اپنی عاقبت خراب کرے۔

5 یہ کہ سننے والا عامی شخص ہو جس کو حلاوت عشق ہرگز نہیں صرف قوالوں کے منہ کی طرف تکتا رہے اور مضامین تک اُس کی رسائی نہ ہو۔(احیاء)

6 قوال یا سامعین کی نیت لہو ولعب ہو اور مجلس فساق واوباش ہو۔ جو کھیل کی غرض سے منعقد ہو اور اوقات مخصوصہ میں عبادات مفروضہ کی ادائی میں قصور ہو جائے۔ اسی کی طرف کلام الٰہی کا اشارہ بحسب تصریح بعض مفسرین ہے **لیضل عن سبیل اللّٰہ** ان عوارض کے لحوق کی وجہ سے سماع حرام ہو جاتا ہے اور اسی پر محمول ہیں تمام عبارات کتب فقہ وحدیث جن میں

حرمت سماع مذکور ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مواقع السّماع

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ سات موقعہ ہیں جن میں اغراض مخصوصہ کے لیے سماع مشروع ومروج ہے:

(اوّل) غناء الحجیج یعنی حاجیوں کے لیے گانا۔ کیونکہ وہ پہلے شہروں میں طبل اور شاہیں لے کر گاتے بجاتے ہیں۔ چونکہ اس میں ایسے اشعار و نظمیں پڑھے جاتے ہیں جو وصف کعبہ ومقام ابراہیم وحطیم وزمزم وباقی مشاعر پر شامل ہوں جس سے سامعین کو حج بیت اللہ کا شوق پیدا ہوجاتا ہے۔ لہٰذا یہ سماع محمود ومستحسن ہوگی۔ لان الباعث علی الخیر خیر

(دوئم) غناء القراۃ یعنی نمازیوں کا راگ چونکہ اس میں بھی تحریص وترغیب جہاد کی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ غنا بھی اعلیٰ درجہ کا مشروع ومستحسن ہوگا۔ الا اس میں راگ کچھ قدر جوشیلا اور الفاظ بھی ایسے ہوتے ہیں جن سے شجاعت بھڑکے اور کفار پر غصہ وغضب جوش مارے۔ یہاں تک کہ اپنی جان ومال کو اُن کے مقابلہ میں ناچیز سمجھے۔ جیسا کہ دیوان متنبی میں ہے:

یری الجبناء ان الجبن حزم

وتلک خدیعۃ الطبع اللیئم

یعنی بزدل گمان کرتا ہے کہ بزدلی اچھی چیز ہے اور یہ طبع نامبارک کی فریب ہے۔

(سوئم) وہ غنا جو بہادران اسلام بوقت مقابلہ کفار کے کہا کرتے ہیں۔ غرض اُن سے تقویت قلوب مجاہدین وتضعیف دل کفار ہوتی ہے لیکن اس میں یہ بھی شرط ہے کہ راگ اور آواز نرم اور باریک نہ ہوں اور نہ مزامیر ایسے ہوں جن کے نرم اور حسین آواز ہوتے ہیں۔ بلکہ جابر آواز ہونا چاہیے اور یہ غنا جہاد مباح میں مباح ہے اور واجب میں واجب اور اگر اہل اسلام کے ساتھ مقابلہ ہو تو حرام ہے اور یہ غناء بہادران اسلام صحابہ وغیرہ سے بکثرت منقول ہے۔ حضرت علی کے اشعار زبان زد خلائق ہیں۔

(چہارم) غنا نیاحت: یہ دوقسم ہے۔ مذموم ومحمود، مذموم وہ ہے کہ کسی چیز کے تلف ہونے یا کسی شخص کی وفات پر کی جاوے قال اللّٰہ تعالیٰ لکیلا تاسوا علیٰ ما فاتکم اور حدیث شریف میں بھی اس کی مذمت موجود ہے اور محمود وہ ہے جو انسان اپنے قصورات دینی پر افسوس ظاہر کرے اور اپنے گناہوں پر روئے اور نوحہ کرے۔ جیسا کہ حضرت آدم ونوح و داؤد علیہم السلام کے واقعات مشہور ہیں۔

فائدہ: بناءعلیہ یہ جو واعظین منبر پر چڑھ کر آواز مرقق ومحزن سے تقریریں کرتے ہیں جن سے لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا ہوتا ہے اور روتے ہیں یہ بھی محمود ہے۔

(پنجم) غنا السرور یعنی خوشی کے اوقات میں گانا بجانا۔ جیسے پہلے اس کی تشریح ہو چکی ہے۔ مثلاً عید، شادی ولیمہ، عقیقہ، اعراسِ بزرگان، کسی دوست کی آمد مبارک بادی، لڑکا کی پیدائش و ختنہ، قرآن شریف کا ختم وغیرہ وغیرہ جو جو خوشیاں محمود ہیں اُن کا اظہار بھی بذریعہ غنا محمود ہے۔

(ششم) سماع العشاق۔ واسطے تحریک شوق و بھڑکانے عشق کے اگر عشق محمود ہے تو غنا بھی محمود ہوگا ورنہ مذموم۔

(ہفتم) غنا عاشقان انوار الٰہی وغریقان ابحار نامتناہی ایسے لوگوں کے حق میں سماع ایک روحانی غذا ہے۔ جب تک نہ لے جاں بلب ہو جاتے ہیں مراتب میں عقدے پڑ جاتے ہیں۔ مل جائے تو تر و تازہ ہو جاتے عقدے کھل جاتے ہیں۔ عبادت میں چست و چالاک ہو جاتے ہیں۔ تمام خیالات سوائے لقاء محبوب کے محو ہو جاتے ہیں جیسا کہ حضرت خواجہ حافظ فرماتے ہیں:

خاطرم وقتے ہوس کردے کہ بینم چیز ہا
تا ترا دیدم نکردم جز بدیدارت ہوس

اس حال کی آگاہی صرف اسی شخص کو ہوگی جس نے اس کا مزہ چکھا اور جس کو اس نعمت عظمیٰ سے محرومی ہے وہ انکار کر کے اپنے آپ کو دائمی بدنصیبی کا سزاوار بناتے ہیں۔ اس حال کو صوفیا کی اصطلاح میں وجد کہا جاتا ہے جو وجود سے ماخوذ ہے۔ یعنی سماع سے پہلے یہ حالت نہ تھی۔ اب

سماع کی برکت سے موجود ہوئی۔ اس سے دل تمام کدورات سے مصفا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سونا و چاندی کی کدورت آگ میں ڈالنے سے جل جاتی ہے اور وہ صاف ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً سوہاگہ ملانے سے بھی زیادہ شفاف ہو جاتے ہیں اسی طرح مجلس شیخ کامل میں سماع کا سننا سوہاگہ کا کام دیتا ہے۔ پھر اس تصفیہ کے بعد مشاہدات اور مکاشفات حاصل ہوتے ہیں جو کہ اصلی مطالب عشاق ہیں۔

غرض سماع اُن کے حق میں ایک سیڑھی ہے جس کے ذریعہ مطالب علیا کو پہنچ جاتے ہیں یا آئینہ ہے جس کے ذریعہ اپنے محبوب کا نظارہ کر لیتے ہیں۔ یہ وہ حالت ہے جسے دیکھ کر آسمان کے ستارے بھی رقص کرتے ہیں۔ بلکہ مزامیر بھی مست ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ حافظ نے فرمایا ہے:

در طرب خانۂ عشاق الٰہی بنگر کہ
چساں رقص کند زہرہ بہنگامِ سماع
طبل در غلغلہ آید کہ کجا شد منکر
چنگ در قہقہہ آید کہ کجا شد مناع

اب اگر بلید جامد قاسی القلب اس وجد اور اضطراب سے تعجب کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ عنین لذت جماع سے اور نادان لڑکا لذت ریاست و اسباب سے اور جاہل معرفت الٰہی کی لذت سے بھی تعجب کرتے ہیں۔ ان تمام کا ایک ہی سبب ہے۔ وہ یہ کہ لذت فرع ادراک کی ہوتی ہے۔ جس کو جس چیز کا ادراک نہ ہو اس کو اس کی لذت خاک آئے۔ مثلاً جس کی قوت ذائقہ نہ ہو اس کو مطعومات کی لذت نہیں ہوتی اور جس کی قوت سامعہ مفقود ہو۔ اس کی لذت مسموعات کہاں کی اور جس کا عقل کافور ہو۔ اُس کو لذت معقولات ندارد اور جس کی حسن باصرہ معدوم ہو اس کو مبصرات کی لذت ناموجود ہوتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ وجد اولیاء کے منکر ہیں وہ ان اسرار سے بے خبر ہیں:

اسرار محبت را هر دل نبود لائق

در نیست بھر دریا زر نیست بھر کانے

مولانا روم صاحب فرماتے ہیں:

گونیا موزی صفیه طبلے

توچه دانی کوچه دارد با گلے

اب اس مضمون کو اس بیت پر ختم کرتا ہوں:

سخن عشق نه آنست که آید بزبان

مطر با خوش بگو کوتاه کن ایں گفت و

شنفت

ضمیمہ درالمختار میں ہے کہ نقارہ نوبت کا بجانا اگر بغرض تفاخر ہو۔ (جیسا کہ عام متکبرین دنیاداروں کی چال ہے) تو حرام ہے اور اگر بغرض تنبیہ ہو تو کوئی خوف نہیں ہے۔ جیسا کہ تین وقتوں میں بمراد یاد دہانی نفخات صور کے بجائے جاتے ہیں۔ واسطے مناسبت اُن وقتوں کے اُن نفخات کے ساتھ۔ مثلاً عصر کے بعد نفخہ فزع اور عشاء کے بعد نفخہ موت اور نصف رات کے بعد نفخہ بعث کی طرف اشارہ ہوگا اور شرح ملتقی میں ہے کہ بوق جو حمام کی فراغت کے واسطے بجایا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے اور شامی میں ہے کہ جو طبل رمضان شریف میں سحور کے وقت بغرض بیدار کرنے لوگوں کے بجایا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے۔ لیجیے حضرات! اب تو فقہا کرام نے گوناگوں مزامیر کو اغراض صالحہ کی وجہ سے مباح کر دیا۔ علامہ شامی نے طبل نکاح و طبل غازیان و نقارہ تنبیہ اوقات ثلاثہ و بوق حمام و طبل رمضان کو اور ولوالجیہ اور فتاوے ہندیہ اور غایۃ البیان نے طبل غازیان و طبل قافلہ کو اور ابوبکر وراق نے دف اور صنج اور نے اور دخص اور ڈھولک کو شادی کے واسطے حلال کر دیا اور صحابہ کبار و تابعین و تبع تابعین نے طنبور کو حلال کر دیا۔ نامعلوم کہ فاضل معاصر کس خیال سے تمام مزامیر کو حرام کر بیٹھے ہیں۔ شاید کبر سن نے ان کو کتابیں دیکھنے کا موقعہ نہیں دیا۔ آپ کے

استاذ صاحب نے ان کی قلعی کھول دی ہے۔ جیسا کہ کہا کہ جولوگ تمام معازف کوحرام کہتے ہیں اور حدیث شریف سے دلیل پکڑتے ہیں ان کا قول **لا یعبا بہ** ہے۔اس کا منشا اُن کی عدم معرفت کتب حدیث وفقہ ہےتو گویا اس بے چارہ کے اپنے استاد صاحب نے کتب حدیث وفقہ سے بے خبر ہونے کی شہادت دے دی ہے۔ ہمیں تو یہ اُمید نہیں تھی مگر بمضمون اہل البیت ادری بما فیہ کے حضرت مولانا کی شہادت پر وثوق کر کے یقین کیا جاتا ہے اور آپ کو ان معاملات سے معذور سمجھا جاتا ہے۔ واللہ الھادی

قال قال اللہ تعالٰی **و من الناس من یشتری ھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم و یتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین** انتہٰی مراد لہوالحدیث سے غنا ہے۔اس پر بعض صحابہ اور بعض تابعین کے آثار جو کہ متعدد طریق سے پہنچے ہیں دلالت کرتے ہیں۔

اقول اس کلیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مقدسہ کا شان نزول صرف یہی ہے جس کو جناب نے ذکر کیا ہے۔ حال آنکہ مفسرین نے اس کے شان نزول میں مختلف روایات ذکر کیے ہیں۔ اس لیے مناسب تھا کہ اس کی تقریب میں یوں فرماتے کہ بحسب تصریح بعض مفسرین کے اس آیت سے مراد الخ

اوّلاً تو اس آیت سے نصاً حرمت غنا ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے شان نزول میں مفسرین نے اقوال مختلفہ ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ تفسیر خازن میں اُس کی تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کا قول ہے کہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی جس نے فارس کے بادشاہوں کے قصے خرید لائے تھے اور قریش کے محافل میں پڑھ کر سناتا تھا اور کہتا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) عاد وثمود کا قصہ سناتے ہیں اور میں رستم واسفندیار کا قصہ پڑھتا ہوں اور قریش اس کو سن کر بڑے محظوظ ہوتے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی جو کہ ٹھیک ٹھیک مضمون مطابق ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ آیت غنا کے بارہ میں نازل ہوئی جو کہ لونڈیاں مغنیہ خرید کر کے اُن سے راگ سنا کرتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ یہ ہر لہو ولعب میں اُتری اور بعض کا قول ہے کہ شرک

کے بارہ میں اُتری۔ جب اتنے موارد آیت مبارکہ کے ہوئے تو صرف ایک ہی مورد کو لے کر مقام استدلال میں الفاظ محتملۃ المعانی کو لانا نامناسب ہے۔ علماء کا قول ہے **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** یعنی جب احتمال آ جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

ثانیاً بالفرض مان لیا جائے کہ اس آیت سے مراد غنا ہی ہے جیسا کہ بعض صحابہ اور بعض تابعین کا قول ہے تاہم جناب کے مدعا کا اثبات اس سے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آیت شریفہ میں لہوالحدیث جن جن قیود کے ساتھ مقید ہے سب کے سب ملحوظ ہوں گے۔

1 لہو کی اضافت حدیث کی طرف جس کا مفاد یہ ہے کہ غنا بغرض لہو ہو جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اس کی حرمت میں تو اتفاق ہے۔

2 **لیضل عن سبیل اللّٰہ** میں جو لام ہے وہ علّیہ ہے یعنی اشتراء لہوالحدیث کی علت اضلال عن سبیل اللہ ہو جس کا مفاد یہ ہے کہ لہوالحدیث کو اس غرض سے خرید کرتا ہے تاکہ اللہ کے راستہ (دین اسلام) سے گمراہ کرے اور سننے قرآن شریف سے اغوا کرے۔ مطلب اس کا یہ ہو کہ قرآن شریف بے رونق اور اسلام کمزور ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا راگ جس کی قرآن شریف نے وصف بیان کی ہے اس کی حرمت میں کوئی اہل اسلام بھی شک نہیں کر سکتا۔

3 **ویتخذھا ھزوا** یعنی آیات قرآنی پر استہزاء بنانے کی غرض سے راگ کو خرید کرے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے راگ کی حرمت میں کون اہل اسلام شک کرسکتا ہے۔ بلکہ اگر اسی غرض سے قرآن شریف پڑھا جاوے تو بھی حرام ہے غنا کی خصوصیت نہیں۔ تو جس غنا میں یہ تینوں اوصاف نہ پائے جائیں اُس کی حرمت کہاں سے آئی۔ فاضل معاصر کی یہ چال بازی قابل تحیر ہے۔ کیونکہ دعویٰ تو یہ کیا کہ غنا اور معازف سب حرام ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کی جس کا معازف سے تو مساس بھی نہیں۔ البتہ بنا بر اقوال بعض مفسرین غنا پر صادق تو ہے لیکن وہ بھی مقید بچند قیود۔ دلیل خاص کو دعوے عام میں لانا فاضل معاصر جیسے

جری آدمی کا کام ہے۔شاید بعض صحابہ کے قول سننے سے خوشی میں آکر اصل مطلب کو بھول گئے اور جو دعوی کیا تھا اس کی اصلیت یاد نہ رہی۔

قدر مجموعہ گل مرغ سحر داند و بس

نہ کہ ہر کو ورقے خواند معانی دنسنت

فائدہ: زمانہ حال میں جو مجالس بزرگان دین کے اعراس پر ہوتی ہیں اوّلاً قرآن شریف خوش الحانی وحسن ترتیل سے پڑھا جاتا ہے۔تمام حاضرین باوضونہایت متانت وسکون وخضوع وخشوع سے سرنگوں بیٹھ کر بڑی محبت سے سنتے ہیں۔ بعدہ سماع (جس میں حضور سرور کائنات ﷺ کے محامد اور اولیاء کرام کے اوصاف اور محبت الٰہی کے بھڑکانے والے کلمات ہوتے ہیں) ہوتا ہے اور پھر کلام الٰہی سے مثل سابق ختم کیا جاتا ہے۔اب بتلایئے کہ اس سماع میں کون سا اضلال واستہزاو استخفاف دین اسلام وکلام الٰہی ہے اور حرمت کہاں کی۔

ثالثاً میں پوچھتا ہوں کہ جس غنا و معازف کو بارگاہ نبوی میں یا مجالس صحابہ وتابعین میں عمل میں لایا گیا ہے وہ اس آیت کے مدلول میں داخل ہیں یا نہ۔بصورت اوّل یہ تمام حضرات (خاک بدہن دشمناں) مرتکب حرام کے ٹھہرے نعوذ باللہ من ذالک و بصورت ثانی تقریب تام نہیں۔ کیونکہ مدعا تو یہ تھا کہ جملہ معازف وغنا سب حرام ہیں اور دلیل سے یہ ثابت ہوا کہ بعض حلال و بعض حرام ہیں **فکیف یثبت منہ المطلوب**

قال اخرج البخاری فی الادب المفرد و البیهقی عن ابن عباس لهو الحدیث هو الغناوا اشباعه انتهی و اخرج ابن ابی شیبه باسناد صحیح ان عبداللّٰه بن سئل عن قوله تعالٰی ومن الناس من یشتری لهو الحدیث قال الغناء واللّٰه الذی لا اله غیره انتهی و اخرجه الحاکم و البیهقی ایضاً وقال الحاکم صحیح الاسناد و اخرج ابن ابی الدنیا و ابن جریر عن شعیب بن یسار قال سالت عکرمة عن لهو الحدیث قال هو الغناء انتهٰی و اخرج ابن ابی الدنیا و ابن جریر و ابن المنذر عن مجاهد و من الناس من یشتری لهو

الحدیث قال ھو الغناء و کل لھو ولعب انتھی و اخرج ابن ابی حاتم عن عطاء و من الناس من یشتری لھو الحدیث قال الغناء و الباطل انتھی و اخرج ابن ابی حاتم عن الحسن قال نزلت ھذہ الاٰیة فی الغنا و المزامیر انتھی و اخرج ابن ابی الدنیا عن ابراھیم و من الناس من یشتری لھو الحدیث قال الغناء انتھی و اخرج البغوی عن سعید بن جبیر قال لھو الحدیث الغناء و المزامیر و المعازف انتھی ۰

اقول اوّلاً تو ان آثار کے اسناد میں مقال ہے جس کی تشریح کی گنجائش نہیں ہے۔ ثانیاً جس طرح لہوالحدیث کی تفسیر بعض صحابہ غنا کے ساتھ کرتے ہیں اسی طرح بعض صحابہ اُس کے اور معانی بھی لیتے ہیں۔ صرف ایک ہی معنی پر جزم کر کے استدلال کرنا جناب ہی کے شایان شان ہے۔

ثالثاً ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لہوالحدیث کا معنی غنا بلکہ معازف ہی سہی۔ تاہم اس سے جناب کا مدعا ثابت نہیں ہونے کا۔ کیونکہ غایت مافی الباب ان آثار سے یہی ثابت ہوگا کہ لہوالحدیث سے مراد غنا اور معازف ہیں۔ تو جب لہوالحدیث کی حرمت مقید بقیود ثلاثہ ہے جیسا کہ مذکور ہوا تو اُن کی عموم حرمت کہاں سے لائیں گے۔ بلکہ آیت شریفہ و آثار صرف اُسی غنا و معازف کی حرمت ثابت کریں گے جن کی اباحت کا کوئی بھی اہل اسلام قائل نہیں ہے اور جس کی اباحت کے قائل ہیں اس کو نہ آیت نے ہلایا اور نہ آثار نے۔

تکمیل چونکہ فاضل معاصر نے حرمت غنا کو صحابہ کرام و تابعین باحسان کی طرف نسبت کیا ہے لہٰذا مناسب نظر آتا ہے کہ صحابہ کبار کا معمول ذکر کیا جائے۔ تا کہ قارئین کرام کو حقیقت حال کھل جائے اور فاضل معاصر کے مغالطہ سے بچ جائیں۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

شیخ محدث دہلوی نے مدارج میں کہا ہے کہ اباحت سماع اکابر صحابہ سے منقول ہے جن میں چندکس عشرہ مبشرہ بھی ہیں اور جم غفیر تابعین و تبع تابعین و اتباع تبع و علماء محدثین وفضلائے دین جو

کہ اہل زہد وتقویٰ وعبادت تھے اوران کی حکایات وروایات کافی طورمنقول ہیں اورامام غزالی نے کہاہے کہ ابوطالب مکی نے اباحت سماع کوایک جماعت سے نقل کیاہےاورکہاکہ صحابہ کبار سے عبداللہ بن جعفر وعبداللہ بن زبیر ومغیرہ بن شعبہ وامیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سماع کو مباح جان کرسنااورکہاکہ اسی طرح کیابہت سلف صالحین سے صحابہ اورتابعین باحسان نے اورکہا کہ ہمیشہ سناکرتے تھے سماع کوحجازیوں سے مکہ معظّمہ میں ان ایام میں جوکہ تمام سال میں افضل ہیں۔وہ ایام معدودات ہیں۔جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کوعبادت وذکر کاحکم فرمایاہے۔ وہ ایام تشریق ہیں انتہیٰ مختصراً۔مدارج میں ہے کہ سعید بن مسیب جوکہ افضل التابعین ہیں اورورع وتقویٰ میں ضرب المثل ہیں غناءکوسنتے اوراس سے محظوظ ہوتے تھےاوراسی طرح سالم بن عبداللہ بن عمراورقاضی شریح بھی لونڈیوں سے راگ سناکرتے تھے۔باوجود کبرسن اورجلالت قدر کے۔ اسی طرح سعید بن جبیر جوکہ اعاظم تابعین سے ہیں لونڈی سے سناجوراگ گاتی اوردف بجاتی تھی۔ اسی طرح عبدالما لک بن جریج جوکہ علماءحفاظ اورفقہاءعباد سے ہیں اوران کی عدالت وجلالت پر اجماع ہے وہ بھی راگ سناکرتے تھے۔بلکہ راگ کے واقف بھی تھےاورابراہیم بن سعد جوکہ اپنے زمانہ میں فقہ کے امام تھےطلباءکوسبق حدیث نہ دیتے جہاں تک غنانہ سنتے۔بلکہ رشید کی مجلس میں اباحت سماع کافتویٰ بھی دے دیااوراحیاءالعلوم میں ہے کہ قاضی ابومروان کی لونڈیاں مغنیہ تھیں۔اوراسی طرح عطاء بن ابی رباح کی بھی دولونڈیاں مغنیہ تھیں اورابوالحسن بن سالم کوکسی نے کہاکہ آپ سماع کاکس طرح انکارکرسکتے ہیں۔حالانکہ جنید بغدادی وسری سقطی وذوالنون مصری بھی سنتے تھے۔اُس نے کہاکہ میں کس طرح انکارکرسکتاہوں حالانکہ عبداللہ بن جعفر جومجھ سے بہتر تھے انہوں نے سناہےاوراجازت بھی دی۔بلکہ میں توصرف اُسی غناکاانکارکرتاہوں جس میں لہوولعب ہواورابن مجاہد جس دعوت میں سماع نہ ہوتاتواس کی اجابت ہرگز نہ فرماتے۔بلکہ خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسان بن ثابت کومنبر پرچڑہاکراُس کے اشعارجن کواُسنے ہجوکفار میں بنایا تھااُس سے سنتے اورفرماتے **اللھم ایدہ بروح القدس (الکل من المدارج والاحیاء مع**

الالتقاط)

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم وتابعین وتبع تابعین ومحدثین وعلماء دین سے سماع کا سننا اوراس کی اجازت دینی عام مشہور ہے اور کتب صحیحہ میں مذکور ہے۔ یہ تو صرف چند روایات بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں۔

اگر تمام کی احصاء کی جائے تو رسالہ کے حجم بڑھ جانے سے ملال طبع ناظرین کرام کا باعث ہوجائے گا۔ لہذا اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ فاضل معاصر نے ہاتھ پاؤں تو بہت مارے۔ ماسواء چند روایات کے جن میں لہو حدیث کی تفسیر غناء سے کی گئی ہے کچھ بھی نہ بن سکا اوراس تفسیر میں اس کو حاصل بھی کچھ نہ ہوا۔ حضرت خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

خیال زلف چنتن نہ کار خامان سے
کہ ند سلسلہ فتن طریق غیاری ست

قال غناء کا لہو الحدیث سے مراد ہونا جو کہ مدلول ان کا ہے چونکہ بکثرت طرق سے ثابت ہوا لہذا اقوی ہوگیا۔

اقول ہاں ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر جناب کو اس میں کیا فائدہ۔

قال اور آیت مجملہ مذکورہ کے لئے مفسر ہوگا کیونکہ مفسر آیت کو ظنی کا ہونا کافی ہے قطعی ہونا ضروری نہیں۔ **اقول ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً و اما قل تکفیہ الا شاک**

قال قال الامام البخاری فی کتاب الاشربۃ من صحیحہ و قال ھشام بن عمار حدثنا صدقۃ بن خالد قال حدثنا عبدالرحمٰن یزید بن جابر قال حدثنا عطیہ بن قیس الکابی حدثنی عبدالرحمٰن بن غنم الشعری قال حدثنی ابو عامر او ابو مالک الشعری و اللہ ما کذبنی سمع النبی صلی اللہ علیہ و سلم یقول لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحرو الحریر و الخمر و لمعازف و لینزان اقوام الی جنب علم یروح علیھم بارحۃ لھم یاتیھم یعنی الفقیر الحاجۃ فیقولون ارجع الینا غدا فبیتھم اللہ و یضع

العم و یمسخ اخرن قردۃ و خنازیر الیٰ یوم القیمه انتھی معنی اس حدیث مرفوع کہ یہ ہیں کہ البتہ میری امت سے وہ اقوام ہوں گے کہ حلال کریں گے زنا کو اور ریشمی کپڑے کو اور شراب کو اور آلات ملاہی کو اور البتہ اتریں گے اقوام پہلو میں پہاڑ کے کہ شب کریں گے ان پر مویشی ان کے۔ آئے گا ان کے پاس کوئی محتاج کسی حاجت سے پس کہیں گے کہ کل لوٹ کر آنا ہمارے پاس پس ہلاک کر دے گا اُن کو اللہ تعالیٰ رات میں اور کہہ دے گا پہاڑ کو اُن پر کہ دب کر مر جائیں گے اور مسخ کرتا رہے گا اوروں کو جو ہلاک نہیں ہوئے۔ بندر اور سور کی طرف قیامت تک اس حدیث میں لفظ معازف کی چونکہ معرف بلام استغراق واقع ہوئی ہے اور اُس کے حلال کرنے والوں پر وعید آ گئی ہے۔ لہٰذا تمام معازف یعنی آلات ملاہی خواہ دف اور طنبور کی قسم ہو یا کوئی اور قسم حرام ہوں گے صرف وہ آلہ لہو جس کی رُخصت حدیث میں بسبب عوارض مخصوصہ کے آ گئی ہے۔ علت اس کی بعد متحقق اسی عارضی کے بطور رُخصت ہوگی نہ بطور غریست۔ لہٰذا وہی آلہ اگر اُس عارض کے ساتھ نہ ہو تو اپنی حرمت سابقہ پر بطور عزیمت قائم رہے گا۔

اقول اوّلاً تو یہ حدیث منقطع ہے۔ جیسا کہ نقادفن نے اس کی تصریح کی ہے۔ ثانیاً معازف کو معرف بلام استغراق قرار دینا ایک نیا طرز تضحیک اطفال ہے بچند وجوہ اوّل یہ کہ ان کے باقی رفقائے ثلاثہ یعنی حر وحریر وخمر جو اُس کے معطوف ہیں اور معرف بالام بھی ہیں ان پر کون سالام ہے۔ استغراقیہ ہے یا غیر استغراقیہ۔ بصورت اول لازم آوے گا کہ جمیع افراد کا اشیاء ثلاثہ کے مقام اُمت پر حرام ہو جائیں۔ حالانکہ واقع میں اس طرح نہیں۔ کیونکہ حریر مثلاً عورتوں پر تو علی الاطلاق حلال ہے اور مردوں پر بھی بعض مواقع میں حلال ہے۔ مثلاً جہاد کے وقت بلکہ اگر کسی کے کپڑے کا حلم ریشم کا ہو وہ بھی بقدر چار انگشت حلال ہے اور جس کپڑے کا صرف تانا ریشم کا ہو اور بانا سوت وغیرہ کا ہو تو وہ بھی حلال ہے اور مچھر دانی وغیرہ بھی ریشم کی حلال ہے وغیرہ وغیرہ۔ بہت ریشم کی چیزیں مردوں پر بھی حلال ہیں بصورت ثانی نظم الکلام کے قواعد کا خلاف لازم آئے گا۔ جو افصح العرب والعجم کے شان سے بعید ہے۔ دوئم یہ کہ یہ قول اس کا تب صحیح مانا جا سکتا ہے۔ جب پہلے

اس امر کو ثابت کر دیں کہ جو لام صیغہ جمع پر داخل ہو ہمیشہ استغراقیہ ہوا کرتا ہے۔ والامر لیس کذلک کما لا یخفی علی من تمارس بالایات القرانیة والاحادیث النبویة والمحاورات العربیة سوم یہ کہ لام استغراقیہ کے کہنے سے ایک صعوبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس سے عموم وشمول جمیع افراد معازف کہنے پڑے۔ بعدہ دف وغیرہ کو استثناء کرنا پڑا۔ جس کی تکلیفات خود جناب کو کرنی پڑی۔ اگر لام استغراقیہ نہ کہتے تو ایسی تکلیفوں کے منہ میں نہ آتے۔

ع اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی۔

چہارم یہ کہ بفرض تسلیم کرنے لام استغراقیہ کے بھی مثبت مدعا نہیں۔ کیونکہ اس استغراق نے تو جمیع افراد معازف کو گھیرا۔ الا دوسری احادیث صیحہ نے بعض معازف کو اس حکم سے مستثناء کر دیا۔ تو یہ عام مخصوص البعض ہوا جو مفید ظن ہوتا ہے۔ پہلے بھی خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی تھا۔ اب ظن در ظن آ گیا جو مقام استدلال میں قابل کار نہ رہی۔ یہ تمام جوابات الزامی تھے جواب تحقیقی یہ ہے کہ اگر المعازف کا لام استغراقیہ مانا جائے تو اس عبارت حدیث کا یہ معنے ہوگا کہ ایسے اقوام ہوں گے جو تمام معازف کو حلال سمجھیں گے۔ وہ مستحق وعید ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام معازف کو حلال نہ جاننا چاہتے تو اس وعید سے بچنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تمام معازف کو حرام جانے۔ دوسرے یہ کہ بعض کو حلال اور بعض کو حرام جانے۔ ہم تمام معازف کو کب حلال جانتے ہیں۔ بلکہ جو معازف مجالس صلحاء میں مستعمل ہوں صرف انہیں حلال جانتے ہیں۔ باقی جو محافل فساق میں مستعمل ہوں ان کو ہم بھی حرام جانتے ہیں۔ تو اس حدیث شریف نے فاضل معاصر کے مدعا کا اثبات تو ہرگز نہ کیا۔ کیونکہ اُن کا دعوے تو یہ تھا کہ تمام معازف حرام ہیں۔ البتہ ہمارے مدعا کا اثبات بخوبی کر دیا۔ ہمیں فاضل معاصر کا ممنون احسان رہنا چاہیے:

اگر خدا بسے سازد از تفضّل خویش

ز دست دشمن بدخواہ می رسد امداد

حاصل جواب تحقیقی یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو لفظ یستحلون المعازف مثلاً ہے۔ اب اگر اس لام کو جو المعازف پر ہے استغراقیہ مانا بھی جائے جیسا کہ فاضل معاصر نے کہا ہے تو یہ معنی ہوگا کہ ایسے اقوام ہوں گے جو تمام معازف کو حلال جانیں گے وہ مستحق وعید ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ تمام معازف حلال نہیں خواہ تمام حرام ہوں یا بعض حلال اور بعض حرام لیکن خارج سے معلوم ہے کہ تمام معازف تو حرام ہرگز نہیں۔ کیونکہ بعض معازف کی تو خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ کبار و تابعین رضی اللہ عنہم نے اجازت فرما دی ہے۔ مثلاً دف وعود وغیرہ جیسا کہ سابقاً شرعاً مذکور ہوا۔ تو بعض کا حرام ہونا متیقن ہوا۔ وہ بعض وہی ہے جس کی حرمت قرآن شریف میں بنابر بعض روایات کے ہے۔ اب لام استغراقیہ نے جناب کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ کیونکہ رفع ایجاب کلی سلب کلی کو مستلزم نہیں ہوتا۔ بلکہ سلب جزئی کو مستلزم ہوتا ہے مثلاً لیس کل حیوان انساناً کا مفہوم صریح تو رفع ایجاب کلی ہے۔ الا اُس کو سلب جزئی لازم ہے۔ اس واسطے کہ رفع ایجاب کلی کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ سلب کلی یا سلب جزئی اور دونوں صورتوں میں سلب جزوی لازم ہے وہی لازم ہوگی۔ پس سلب جزی ضروریات مفہوم ولوازم رفع کلی سے ہے۔ غرض کہ حدیث شریف نے بھی جمیع انواع معارف کی حرمت کو ثابت نہ کیا۔ اگرچہ معازف کو معرف بلام استغراقیہ بھی مانا گیا اور واقعی حدیث شریف کو ایسی تعمیم شایان بھی نہیں۔ کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض معازف کو سنا اور قرآن شریف نے بھی اس حرمت کو قیود ثلاثہ کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ لام عہدی ہے۔ اس کا اشارہ ان معازف کی طرف ہے جو حرام ہیں۔ افسوس کہ فاضل معاصر نے بہت کچھ سر مارا اور بے جا تاویلیں کیں۔ مگر ویسے ہی خالی کے خالی رہ گئے۔

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

ہاں اگر اس حدیث شریف میں لفظ حرمت معازف کا ہوتا۔ جس سے نسبت ایجابی بنا کر لام استغراقیہ سے کلیت حاصل کر کے ایجاب کلی بنا لیتے تو البتہ جناب کی مطلب براری ہو

جاتی۔ گواس میں فعل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتخصیص آیت کریمہ کا تخالف آہی جاتا۔ مگر جناب جیسے آدمی کو کیا پروا۔ سب کچھ چلا جائے مگر بات نہ جائے۔ معازف کا لفظ دیکھ کر اُس کے استغراق میں آگئے لیکن اس کا سیاق نہ دیکھا:

راز درونِ پردہ زمستان دوست پرس
کایں حال نیست قاہ

قال مثلاً حلت دف کی بعوارض عید ونکاح وغیرہ کے پر ثابت ہوئی ہے۔ لہٰذا جب یہ عوارض پائے جائیں گے تو فرمان بطریق رُخصت ہوگا اور نہ پائے جانے کی تقدیر پر دف حرام بطریق عزیمت رہے گا۔ اقول:

نہ پائمال کرومل کے ہاتھ مہندی کو
کسی کا خون کرے گی حنا سنو تو سہی

اوّلاً تو بیان نہ کوئی عزیمت ہے نہ رُخصت کیونکہ عزیمت اُن احکام کا نام ہے جو پہلے وارد ہوں اور رُخصت وہ جو بعوارض اعذار بعد میں شرعاً صادر ہوں۔ اب چونکہ دف کی حرمت میں کوئی نص شرعی وارد ہرگز نہیں ہوئی۔ تو پھر عوارض معذور کی وجہ سے اُس کی رُخصت لینے کی ضرورت کیا ہے اور اگر کہیں کہ جمیع انواع معازف میں دف بھی داخل ہے اور اُن کی حرمت سے دف کی حرمت بھی آ گئی۔ میں کہتا ہوں کہ جمیع انواع معازف کی حرمت تو پہلے ثابت کریں۔ یہ تو نہ قرآن شریف سے ثابت ہوتی اور نہ حدیث شریف سے جیسا کہ پہلے یہ متحقق ہوگیا ہے۔ اب اعادہ کی حاجت نہیں اور اگر بحسب زعم خود عموم نص بنا کر اس میں دف کو داخل کر کے حرام بنا دیں اور پھر احادیث سے اس کی تخصیص کریں تو اس سے جناب کو دو گونہ سستی آ جائے گی۔ ایک تو بوجہ عام مخصوص البعض ہونے کے عام کی قطعیت رُخصت دوسرے دف ہمیشہ کے لیے حلال ہوگئی۔ ثانیاً دف کی احادیث میں تو جناب نے عزیمت و رُخصت سے جان چھڑا لی۔ مگر عود وغیرہ جن کو بڑے جلیل صحابہ وتابعین وتبع تابعین نے سنا ہے اور ان کی حلت کا فتویٰ بھی دے دیا۔ جس کی تفصیل سابقاً

مذکور ہوئی اس کا جواب کس عزیمت ورُخصت میں لائیں گے۔

قال اور باقی رہا اعتراض انقطاع کا حدیث پر جیسا کہ حافظ ابن حزم ظاہری اور اُن کے اتباع نے کیا۔ منشا اس کا تساہل وتشدد واقع ہوا ہے۔ ترویج مذہب فاسد یعنی تحلیل غناء ومعازف ہیں اور حدیث فی نفسہٖ صحیح ہے متصل الاسانید بطریق متعددہ ہے قال ابن الصلاح فی مقدمته ولا التفات الیٰ ابی محمد بن حزم الظاهری الحافظ فی رد ما اخرجه البخاری من حديث ابی عامر و ابی مارک الاشعری عن رسول اللہ ﷺ لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الحر و الحریر و الخمر و المعازف (الحدیث) من جهة ان البخاری اورده قائلا قال هشام بن عمار و ساقه باسناده فزعم ابن حزم انه منقطع فيما بين البخاری و هشام و جعله جوابا عن الاحتجاج به علی تحریم معازف و اخطأ فی ذالک من وجوه و الحديث صحیح معروف الاتصام بشرط الصحیح انتهی و قال ابن حجر المکی فی الزواجر عن اقتراف الکبائر صح من طرق صحیحة لا مطعن فیها و صححه جماعة أخرون من الائمة کما قاله بعض الحفاظ و من عجیب لتساهل ابن حزم و اتباعه لهواه انه بلغ من التعصب الیٰ ان حکم علیٰ هذا الحدیث و کل ما ورد فی الباب الوضع و هو کذب صراح منه فلا یحل لاحد التعویل علیه فی شئ من ذالک انتهی ملتقطا و قال السخاوی فی فتح المغیث حکم بعدم اتصاله بل و ما اکتفی حتی صرح لاجل تقریر مذهبه الفاسد فی اباحة الملاهی بوضعه مع کل ما فی الباب و اخطاء فقد صححه ابن حبان و غیره من الائمة و وقع لی من حدیث عشرة من اصحاب هشام عنه بل و لم ینفرد به کل من هشام و صدقه ابن جابر انتهی ملتقطا و قال الاستاذ العلام ادخله اللہ تعالی فی دار السلام فی ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی و قول ابن حزم انه لا یصح فی هذا الباب شئ خطأ فان الحدیث المذکور معروف الاتصال بشرط الصحیح عند ائمة الحدیث انتهی جبکہ معترضین حفاظ نے حدیث مذکور کی تصحیح کر دی تو جتنے اعتراض ماسوا انقطاع

کے مثل تضعیف صدقہ کی اور اضطرابات لفظیہ اور معنویہ کے اس پر کیے گئے وہ بھی دفع ہو گئے۔ کیونکہ حدیث درجہ صحت کو اس وقت پہنچتی ہے کہ جب اس قسم کے علل قادحہ سے خالی ہو۔

اقول چونکہ اس حدیث کا مفاد نہ فاضل معاصر کو مفید اور نہ ہمیں مضر بلکہ ہمیں مفید جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ لہٰذا اس کی جرح تعدیل سے بحث کرنی فضول سمجھ کر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ورنہ قاعدہ اصول حدیث الجرح اذا کان مفسر مقدم علی التعدیل کے رو سے اس حدیث کی فاضل کے جوابات سے ضعف سے جان نہیں چھوٹتی۔

قال علاوہ اس تصحیح کے شواہد حدیث کے جامع ترمذی وغیرہ میں موجود ہیں کہ جن سے تقویت اس کی من حیث اثبات مدعا کے بخوبی ہوتی ہے۔

اقول اس حدیث کی سند میں علی بن یزید ہے اور اس کو محمد بن اسماعیل بخاری نے ضعیف کہا ہے۔

قال یہ شواہد اگر چہ اپنے ثبوت میں فی نفسہا ضعیف ہیں۔

اقول اچھا ہوا کہ حباب نے اپنے منہ سے اپنے دلائل کو ضعیف کہہ دیا۔

قال مگر حدیث مذکور سے کا سب قوۃ ضرور ہیں۔

اقول جب حدیث بنا بر تصریح نقاد الفن کے منقطع ہوئی اور منقطع اقسام مردود سے ہوئی اور شواہد بھی ضعیف ہوئے جس کو خود جناب پہلے تسلیم کر بیٹھے ہیں۔ تو قوت کہاں سے لاکر دے گی۔

قال پس شواہد اور حدیث ہر ایک سے دوسرے کی تقویت ہوگی۔ فرق اس قدر ہوگا کہ شواہد سے تقویت حدیث کی من حیث ظہور مرام و اثبات مدعا کے ہوگی اور حدیث سے تقویت شواہد کی من حیث اُن کے ثبوت کے ہوگی۔

اقول حدیث ضعیف بحسب تصریح اصولیین مقام استدلال میں یعنی اثبات حرام وحلال میں ہرگز کارگر نہیں ہوتی۔ البتہ فضائل اعمال میں کام دے سکتی ہے اور حدیث منقطع جو اقسام مردود سے ہے وہ بھی قابل عمل نہیں ہوتی۔ اب نہ وہ حدیث جس کو امام بخاری نے روایت کیا قابل کار

اور نہ وہ احادیث قابل عمل جن کو ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔تو ایک نے دوسرے کو کیا مدد دی۔ علاوہ ازیں یہ احادیث ہمارے مدعا کے برخلاف نہ ہونے کی وجہ ہم چنداں بحث کرنی مناسب نہیں جانتے۔ گوقبل ازیں حرمت سماع کے بارہ میں محرمین نے بہت کچھ تگ و پو کیا اور نہ بنتے دلائل کو پیش کر کے پھراُن کی اُلٹ پلٹ تاویلیں کر کے اپنا مدعا اپنے زعم میں ثابت کر دیا لیکن جو چال فاضل معاصر چلے ہیں کالغریق یتشبث بکل حشیش شاید ایسی چال پہلے سے کوئی بھی نہ چلا ہو۔ چنانچہ خود آخر رسالہ میں انصافاً اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے میں اُمید کرتا ہوں کہ محرمین کہ جن کے پاس سوائے چند سادہ تقریروں کے کوئی ذخیرہ دلائل موجود نہیں تھا۔اب اُن کے پاس انبار وجوہات خواہ خلاف واقعہ کیوں نہ ہوں تیار ہو گیا ہے۔

مزار شہیدوں پہ قاتل یہ بولا
یہ سب گھر ہمارے بسائے ہوئے ہیں

قال اور یہ شواہد وحدیث صرف اتنی ہی قوت پر محصور نہیں بلکہ یہ ہر عصر میں جمہور محدثین و فقہا کے معمول بہا ہونے کے سبب سے قوۃ میں حد تواتر عملی کو پہنچ گئے۔ لہٰذا ہر ایک بوجہ متواتر العمل ہونے کے قطعی ہوگا۔ گو فی نفسہ اس درجہ کا نہ ہو۔

اقول کلا وحاشا بلکہ ہر عصر میں محدثین وفقہاء کا دستور العمل اباحت سماع پر رہا ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

قولہ تواتر عملی آہ اقول اہل حرمین شریفین کا اتفاق اور جلیل القدر صحابہ اور علماء مجتہدین و مقلدین کا عملدرار اور اس کے برخلاف ہونے سے تواتر عملی کیا ہوا۔

قال اسی وجہ سے مقام اثبات حرمت میں اسی قسم کی احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ حال آنکہ مثبت حرمت ضعیف کیا بلکہ ظنی بھی نہیں ہوتا۔ اقول یہی تو جناب کی زبردستی ہے کہ خود جانتے بھی ہیں کہ اثبات حرمت کے لیے دلائل تو یہ کا ہونا ضروری ہے پھر بھی دیدہ ودانستہ روایات ضعیفہ اپنے مدعا کے اثبات کے لیے پیش کرتے ہیں:

نیست جرمش ز بانگ بے ہنگام

چہ کند بینوا ہمیں وارد

قال اورشاہد اس تواتر عملی اور تحقق قطعیت اور ثبوت حرمت پر محدثین اور فقہاء کی عبارات کثیرہ ہیں۔ اقول ہرایک عبارت کی توضیح وجواب ساتھ ہی سنتے چلئے:

حدیث قال اقول است درد سر مطرب

بیا بہ زیر و بم آسائیم بچنگ و رباب

قال فی شرح السنة للبغوی اتفقوا علیٰ تحریم المزامیر و الملاھی

اقول اس عبارت سے جناب نے کیا سمجھا۔ اگر جمیع انواع مزامیر و ملاہی سمجھے ہیں تو یہ مزامیر جناب کے نزدیک بھی مباح ہیں۔ وہ بھی اس حرمت میں آ گئے جس سے صحیح احادیث کا مقابلہ کرنا پڑااور اگر بعض سمجھے ہیں تو جناب کے مدعا کا برخلاف بلکہ ہمارے مدعا کا اثبات ہوگیا۔ کیونکہ بعض مزامیر جو بغرض لہوولعب یا مجالس فساق میں بجائے جائیں تو ہم بھی حرام کہتے ہیں۔

قال وفی المھذب ویحرم استعمال الاٰلات المطربة من غیر غناء کالعود و الطنبورہ الکوبة و الطبل و المزمار اقول یہ عبارت جناب کوکوئی فائدہ نہیں دیتی۔ کیونکہ اس کا مفاد یہ ہے کہ صرف مزامیر بجائے جائیں۔ طور سخن وغیرہ ہرگز نہ بولا جائے۔ اس میں تو بحث بھی نہیں۔ بلکہ بحث اس میں ہے کہ راگ کے ساتھ اگر مزامیر بجا کر اہل حال کو محظوظ کیا جائے کیا یہ حلال ہے یا حرام۔ ظاہر اس عبارت کا اس امر کو مقتضی ہے کہ مزامیر اگر گانے کے ساتھ بجائے جائیں تو جائز ہے۔ کیونکہ حرمت مزامیر کو من غیر غنا کے ساتھ مقید کر دیا ہے تو اس کا مفہوم ضرور معتبر ہوگا۔ میں حیران ہوں کہ ایسی عبارتوں کو جو نہ منطوق مثبت مدعا ہو اور نہ مفہوم بلکہ مخالف ہو رسالہ میں درج کرنے سے کیا فائدہ اور زیادہ تعجب اس عبارت کے ترجمہ پر ہے جو جناب کے شان سے تو بعید ہے۔ شاید کسی شاگرد رشید نے یہ ترجمہ کر کے اپنے استاذ کو بدنام کر دیا ہو۔

قال وفی الغنیة فان حضر منکر کالطبل و المزمار و العود و الساھے و الرباب

و المعازف و الطنابير و السين و الشابة و الجمع ان درک یلعب به الترک لا یجلس هناک لان جمیع ذالک محرم

اقول اس عبارت میں جس قدر آلات شمار کیے ہیں اُن میں بعض تو ایسے ہیں جن کو صحابہ کبار اور علماء نامدار نے بھی سنا۔ اب اُن سب کو حرام کہہ دینا یا تو اس وجہ سے ہے کہ بغرض لہو ولعب مستعمل ہوں یا اس وجہ سے کہ مجالس فسق میں بجائے جائیں۔ ورنہ جس چیز کو صحابہ کرام استعمال کریں اس کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔

قال وفی مدخل بن الحاج واما العود والطنبور وسائر الملاهی محرم و مستمعه فاسق

اقول ہاں بشرطیکہ بغرض فاسد ہوں والا نہ۔

قال و فی شرح للنظومة و الانکحة التی تنعقد فی مجالس لملاهی و المزامیر تکون مختلفا فیها بوجهین احدهما بفسق الولی لانه الذی احضر الملا هی و المعازف و امرهم بذالک و اعطی للغنین علی ذالک الاجرة الثانی ان الحاضرین صار و افسقة لاستماعهم ذالک فلم یبق الولی ولیا و لا الحاضرون شهود عنده فلا ینعقد عند الشافعی النکاح و لیحترز عن ذالک

اقول ان ملاہی اور مزامیر میں دف داخل ہے یا نہ اگر داخل ہے تو **حدیث الفصل بین الحلال و الحرام الدف و الصوت** اس کی بیخ کنی کر دے گی اور اگر داخل نہیں ہے تو جس تاویل سے جناب اس کو اس عبارت کے عموم سے خارج یا مستثنا کریں گے ہم بھی اسی تاویل سے بعض مزامیر مروجہ کو نکال لیں گے۔ جس سے جناب تکتے رہیں گے اور مدعا ہاتھ سے چلا جائے گا۔

قال وفی حاشیة درالمختار للطحطاوی وفی الذخیرة الرقص کبیرة وفی البزازة حرمه بالاجماع و افتی جلال الملة و الدین الکرمانی بان مستحله کافر

اقول اب جناب رقص میں آ گئے۔ اس عبارت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جمیع انواع رقص

حرام ہیں۔ بلکہ وہی رقص حرام ہوگا جو بغرض فاسد ہو۔

تحقیق المرام فی هذا المقام یہ کہ رقص اضطراب اور حرکات غیر عادیہ کا نام ہے یہ دو قسم پر ہے۔ مذموم ومحمود رقص مذموم کی چند صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ مجلس فساق میں سماع یا غیر سماع میں اوباش کھیل کود کریں۔ جس کو ہماری پنجابی میں جُھمبر کہتے ہیں۔ اس سے ان کی غرض لہو ولعب ہی ہوتی ہے اور اس میں حرکات موزونہ ہوتے ہیں۔

دوسری یہ کہ رقص پیشہ لوگ عام ازیں کہ مرد ہوں یا عورتیں تماشا بنا کر حاضرین کو خوش کریں۔ اس سے ان کی غرض حصول دنیا ہوتی ہے۔

تیسری یہ کہ مجلس سماع میں کوئی عامی آدمی جس کو درددل کا احساس تو ہرگز نہیں الا بمراد نمائش رقص کر کے لوگوں کو دکھائے۔ اس کا مقصد ریا ہوتا ہے۔ یہ تمام صورتیں رقص مذموم کی ہیں۔ ایسا رقص شرعاً حرام ہے۔ یہی رقص محمل اُن تمام روایات کا ہے جن میں حرمت بلکہ بعض روایات میں تو کفر بھی مذکور ہے اور زیادہ مذموم وہ رقص ہے کہ ہمارے زمانہ میں شادی وغیرہ کے موقعہ میں عام طور پر عورتیں جمع ہو کر جھمر مارتی ہیں۔ ان کے درمیان میں مغنی مرد ڈھولک بجاتا ہے اور ان کے اردگرد مردوں کی صفیں ہوتی ہیں۔ **نعوذ باللہ من ذالک القباحۃ** ان تمام صور کی حرمت میں تو کوئی بھی اہل اسلام شک نہیں کرتا۔ کیونکہ ان کے مقاصد فاسد ہیں اور **اغراض کا سدو الامور بمقاصدھا** اور رقص محمودہ ہے۔ جو کسی اہل حال پر بسبب سماع سخن لطیف وجد وارد ہوا اور اُس کے ضبط سے مغلوب ہو جائے جس سے بے اختیار ہو کر اضطراب وحرکات غیر عادیہ اُس سے صادر ہوں۔ یہ رقص نہایت ہی محمود ہے۔ اس کا انکار تو حیوانات غیر ناطقہ بھی نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ انسان اونٹ کا رقص کرے کہ جو بوقت سماع حداد کے تمام عجم وعرب میں مشہور ومعروف ہے۔ مولانا مولوی سعدی شیرازی نے گلستان میں اسی مضمون کی ایک حکایت لکھی۔ اس کا یہاں نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حکایت وقتے درسفر حجاز طائفہ جوانان صاحب دل ہمراہِ ما بودند۔ ہمدم وہم قدم وقتہا زمزمہ

بکر دندے۔ و بیتے محققانہ برگفتندے۔ و عارفے بر سبیل منکر حال درویشاں بود و بے خبر از درد ایشاں۔ تا برسیدیم بنخیل بنی ہلال کودک سیاہ از حی عرب بدر آمد۔ آ وازے برآ ورد کہ مرغ از ہوا آ ورد و اشتر عابد را دیدم کہ برقص اندر آمد و عابد را بیندا خست و راہ بیابان گرفت و برفت۔ گفتم اے شیخ در حیوانے اثر کرد و ترا ہیچناں تفاوت نمی کند

دانی چہ گفت مرا آں بلبل سحری

تو خود چہ آدمی کز عشق بے خبری

اشتر بشعر عرب در حالتست و طرب

گر ذوق نیست ترا کثر طبع جانوری

عند ھبوب الناشرات علی الحمی

یمیل غصون البان لا الحجر الصلا

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است

ولے داند دریں معنے کہ گوش است

نہ بلبل بر گلشن تسبیح خوانے ست

کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانے ست

جہاں پر سماع است و مستی و شور

ولیکن چہ بیند در آئینہ کور

ان حالات کی وقعت اسی شخص کو ہوتی ہے جس کو درد دل کا کچھ احساس یا اثر ہو بے درد کا کام نہیں کہ ایسی باتیں سمجھے:

گفتن از زنبور بے حاصل بود

با یکے در عمر خود ناخوردہ نیش

تکمیل چونکہ رقص کے دوران میں وجد کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ لہٰذا بہت مناسب ہے کہ

قارئین کرام کی آ گاہی کے واسطے اس کی تفصیل بھی کی جائے۔

جاننا چاہیے کہ سماع کے دو مقام ہیں (اوّل) الفاظ مسموعہ کا فہم جس کے باعتبار اختلاف احوال سامعین چار حالتیں ہیں:

حالت اولیٰ یہ کہ سامع سوائے تلذذ خوش الحانی کے اور کچھ نہ جانتا ہو

کہ صاحب سیر المشائخ نے لکھا ہے کہ جب حضرت شیخ ابو اسحاق شامی چشتی سماع میں ہوتے تمام حاضرین مجلس وجد کرنے لگتے اور در و دیوار سب جنبش اور حرکت کرنے لگتے اور جو کوئی آپ کی مجلس سماع میں حاضر ہوتا۔ پھر وہ ہرگز گناہ کے گرد نہ ہوتا اور آپ اہل دول اور امیروں کو مجلس میں حاضر نہیں ہونے دیتے تھے۔ اگر کسی کو غرض ہوتی اوّل دنیا سے ہاتھ دھوتا بعد مجلس پاک حضرت شیخ ابواسحاق میں حاضر ہوتا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اہل دنیا کو آپ مجلس سماع میں کیوں نہیں آنے دیتے۔ آپ نے کہا اہل سماع تمام اہل لطافت ہیں اور اہل دنیا سب اہل کثافت، لطافت اور کثافت میں ضد اصلی ہے **الضدان لایجتمعان اهل لطافت** سب طالب خدا ہوتے ہیں اور اہل کثافت سب طالب دنیا ہیں۔ طالبان خداو طالبان دنیا کے درمیان مناسبت نہیں کہ آپس میں جمع ہوں۔ آپ نے کہا کہ سماع کے واسطے اخوان شرط ہے۔ اُس دم سب کے دل حق کی طرف متوجہ ہوں اور طالب دیدار دوست کے ہوں اگر ایک کا دل سماع میں متفرق ہو سب کا دل متفرق ہوجاتا ہے الفقراء کنفس واحد سر اس بات کا ہے۔ پس اہل دنیا کہ طالب دنیا ہیں اہل سماع کے لائق نہیں کہ اُن کو مجلس میں حاضر کرے۔ کیونکہ اس وقت اہل سماع سماع میں ہوتے ہیں اور سماع میں اسرار الٰہی ظاہر ہوتے ہیں اور دل اہل سماع کا آئینہ کی طرح مصفا ہوجاتا ہے اور عکس پذیر ہوتا ہے اور اہل سماع روشن ضمیر ہوجاتے ہیں۔ اُس وقت اگر اہل دنیا حاضر ہوئے کہ وہ دوستدار دنیا ہے صورت دنیا مردار کی اہل دنیا کی دل پر منقش ہے۔ حضوری دل اہل دنیا سماع کے وقت کا شوش ہے۔ اس سبب سے اہل سماع اہل دنیا کو مجلس میں نہ آنے دیں تو فراغ خاطر سے سماع نہیں علیٰ ہذا القیاس بہت اولیاء کرام وصفیائے عظام اس مجلس سماع میں بہرہ

ورو کامیاب ہوئے۔ بلکہ بہتوں نے اس وجد میں اپنی جان دے کر وصال محبوب حاصل کرلیا۔ جیسا کہ خواجہ قطب عالم بختیار اوشی کاکی رحمتہ اللہ علیہ اس وصیت کے سننے سے واصل بحق ہوئے:

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

احیاء العلوم میں ہے کہ سیّد الطائفہ جنید بغدادی اور سری سقطی و ذوالنون مصری سماع سنتے تھے۔ایک شخص شیخ جنید بغدادی کی رفاقت میں تھا جب سماع سنتا تو چیخ مارتا تھا۔ایک دن شیخ جنید نے اس کو فرمایا کہ اگر تم نے پھر چیخ ماری تو میں تجھے اپنی رفاقت سے ہٹا دوں گا۔ بعدہ جس مجلس میں بیٹھتے تو وہ اپنے وجود کو ضبط کرلیتا۔ یہاں تک کہ اس کا سینہ پھٹ گیا اور واصل بحق ہوا۔علی ہذا القیاس اس وجد کے اضطراب میں ہزاروں اہل اللہ کی جانیں مقصد اعلیٰ کو پہنچیں۔ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں:

عجب از کشتہ نباشد بدر خیمہ دوست

عجب از زندہ کہ چوں جاں بدرم آورد سلیم

امام غزالی نے کہا ہے کہ وجد دو قسم ہے۔ اوّل یہ کہ اس کا اثر حواس ظاہرہ پر ہو اور حالت مستمعان پر تغیر آ جائے۔جیسا کہ شوق یا غم یا خوشی یا قبض یا بسط وغیرہ کے آثار جوارح میں نمودار ہوں۔مثلاً رقص یا تصفیق یا جزع فزع وگریہ زاری وغیرہ حرکات غیر عادیہ صادر ہو جائیں۔ یہ رقص چونکہ وجد کا اثر مرتب ہے۔لہٰذا یہ حق ہے اس کو حرام یا باطل کہنا سراسر جہالت وضلالت ہے۔ بلکہ بعض رقص ایسے بھی ہیں جو کہ اس وجد کے سوا ہیں اور وہ بھی شرعاً جائز ہیں۔ حضور سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمان اقدس میں مسجد نبوی میں حبشیوں کا رقص کرنا اور بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پہلو کے ساتھ کھڑا کر اُن کا تماشا دکھانا جیسا کہ صحیح احادیث میں موجود ہے اس کی اول دلیل ہے۔علاوہ بریں احیاء العلوم میں ہے کہ خود صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سے

بوقت فرحت وسرور کے رقص کرنا منقول ہے۔ جب امیر حمزہ کی لڑکی کی پرورش میں حضرت علی وجعفر وزید بن حارثہ رضی اللہ عنہم نے تنازعہ کیا تو آپ ایک ایک لفظ ہر ایک کو فرماتے گئے اور وہ اس لفظ کی خوشی میں آ کر رقص کرنے لگے۔ یہ بھی رقص کی دلیل ہے۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی انشاءاللہ تعالیٰ

میں حیران ہوں کہ فاضل معاصر کس جرأت سے رقص کی حرمت کے قائل الا ان یراد من الرقص هو القسم الاوّل ولا شک فی قباحته ثانی یہ کہ اُس وجد کا اثر حواس باطنہ ہی پر متصور ہو۔ یعنی مطالب علیا کو پہنچ کر مکاشفات و مشاہدات محبوب حقیقی کی لذت میں محظوظ ہو جائیں اور جوارح پر بالکل کوئی بھی اثر نہ ہو۔ یہ نہایت کمالیت کا درجہ ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول کنا کذالک کما انتم الیوم کا اسی طرف اشارہ ہے۔ امام غزالی نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اضطراب جوارح وجد میں ہو اُس کو ساکن سے زیادہ وجد میں گمان نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ کبھی ساکن کا وجد متحرک کے وجد سے زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ جنید سے ابتدا حال میں بہت حرکات واضطرابات وجد میں صادر ہوتی تھیں۔ پھر بعد میں وہ حالات وحرکات نہ رہے۔ کسی نے آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا کہ دل متحرک ہے اور جوارح ساکن اور ابوالحسن محمد بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے سہل بن عبداللہ سے ساٹھ سال صحبت کی۔ کبھی ان کو ذکر اور قرآن شریف کے سننے میں تغیر نہیں آیا تھا۔ آخر عمر میں ایک دن یہ آیت فالیوم لا یؤخذ منکم فدیۃ سن کر کانپنے لگے اور گرنے کے قریب ہو گئے۔ جب اپنی حالت افاقہ پر آئے تو میں نے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے کہا کہ اب میں ضعیف ہو گیا ہوں اس لیے تغیر آ گیا ہے۔ الحمدللہ علی احسانه کہ میرے قبلہ وکعبہ سیدی وسندی ماہر انوار شریعت واقف اسرار طریقت مخزن رموز حقیقت سیّد السالکین امام العارفین غوث زمان قطب عالم حامی الاسلام والمسلمین شیخی مرشدی مولائی حضرت خواجہ حافظ غازی حاجی محمد ضیاء الملۃ والدین مسند آرائے سیال شریف قدس اللہ تعالیٰ اسرارہ العزیزہ کو بھی یہی منصب حاصل ہے۔ یعنی حضور کو بھی بوقت سماع کبھی جوارح میں تغیر نہیں آیا اور نہ کبھی حرکت غیر عادیہ یا اضطراب ظاہری وجود مسعود سے سرزد ہوئیں۔

مت تڑپنا دیکھیو خنجر تلے اے صید دل
عشق کے مقتل میں دست و پا ہلانا منع ہے

صرف حضور کی چشمان مبارک سے وجد کے علامات معلوم ہوتے ہیں جو نہایت سرخ و لعل ہوجاتی ہیں:

چہ گوئمت کہ ز سوز دروں چہ می بینم
ز چشم پرس حکایت کہ من نیم غماز

الحاصل سماع، وجد اور رقص حق ہیں۔ اُن کا انکار صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس کو اس نعمت عظمٰی سے محرومی ہے۔ زیادہ ترشقی وہ شخص ہے جو علاوہ کفار کے اولیاء اللہ کے حالات پر طعن کی زبان دراز کرتا ہے:

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں کند

اور یہ نہیں جانتے کہ ان بزرگان پر طعن کرنا خداوند تعالٰی کے غضب کا سزاوار بننا ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

گنج قاروں کہ فرد میرد داز قعر ہنوز
خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشان است

اس کی وجہ علامہ شامی لکھتے ہیں **فیه دلیل لساداتنا الصوفیة الذین یفسدون بسماعها امور اهم اعلم بها فلا یبا در المعترض بالانکار کیلا یحرم بر کتهم فانهم السادات الاخیار ایدنا اللّٰہ تعالٰی مجداداتهم واعاد علینا من صالح دعواتهم وبر کاتهم انتهی** مع ترجمہ اور حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

اے دل آنجا بادب باش کہ سلطان و ملوک
ہمہ در بندگی حضرت درویشان است

قال وفی الدر المختار و من یستحل الرقص قالوا بکفره و لا سیما بالدف یلهو ویزمر

اقول اس رقص سے رقص مذموم مراد ہے جس کی تفصیل عنقریب گزری اور سیاق عبارت بھی اسی کا مقتضی ہے اور علامہ شامی نے اس کی شرح میں پوری تحقیق کر کے فیصلہ کر دیا ہے کہ جو رقص یا وجد محمود ہے وہ شرعاً جائز ہے جیسا کہ عنقریب ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

قال وفی ردالمختار قوله ومن یستحل الرقص ،المراد به اتمائل و اخفض و الرفع بحرکات موزونة کما یفعله من ینتسب الی التصوف

اقول لیجیے علامہ شامی نے میری سابقہ تقریر کی حرف بحرف تصدیق کر دی ہے۔ کیونکہ رقص اضطراری میں حرکات وسکنات وخفض موزونہ نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ تمام اوصاف رقص اختیاری یعنی مذموم کے ہیں۔

قال وقد نقل فی البزازیة عن القرطبی اجماع الائمة علی حرمة الغناء وضرب القضیب والرقص

اقول فاضل معاصر نے اس عبارت کے نقل کرنے میں اپنی ایمانداری کی قلعی کھول دی اور دیانت داری کا شیرازہ بکھیر دیا جو ردالمختار ہمارے پنجاب میں مطبع میمنہ مصر سے چھپ کر آئی ہے اس میں تو بجائے (**حرمة الغنا**) کے **حرمة هذا الغنا** ہے لیکن جناب نے ہذیۃً اپنے مدعا کے برخلاف جان کر چھوڑ دیا اور مطلق غنا کی حرمت ذکر کر دی واقعی جناب کا مطلب تو اطلاق ہی سے نکلنا تھا۔ وہ ہذیۃً کو کب پسند کرتے۔ اعتبار جائے تو چلا جائے لیکن بات کیوں جائے۔ اب میں کہتا ہوں کہ جو غنا اور ضرب القضیب اور رقص مخصوص مذکور ہیں ان کی حرمت پر اجماع کا ہونا قابل تسلیم ہے۔ کیونکہ یہ سماع مجالس فساق یار یا کاران کا ہے اور اس کی مذمت وقباحت بارہا مذکور ہوئی لیکن اس سے علی الاطلاق حرمت ثابت نہیں ہوتی جس سے فاضل معاصر کامیاب ہوتے اور خوشی کے گیت گاتے۔

قال رأیت فتوی شیخ الاسلام جلال الملة والدین الکرمانی ان متحلل ھذا الرقص کافر وتمامه فی الوھبانیة

اقول اس عبارت سے بھی مطلق رقص کی حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ رقص کو مخصوص بالاشارہ کر کے وہی رقص مراد لیا جو پہلے مذکور ہوا جو شرعاً مذموم ہے نہ مطلق رقص۔ علاوہ بریں ہمارے ملک پنجاب کی شامی میں تو تمامہ فی شرح الوہبانیہ ہے اور جناب فی الوہبانیہ لکھتے ہیں۔ شاید ہندوستان جنت نشان کی شامی میں اسی طرح ہو جس طرح جناب لکھتے ہیں:

قال وایضا فیه وقال شارح زاد وفی الجوھرة وما یفعله متصوفة زماننا حرام لا یجوز القصد والجلوس الیه ومن قبلھم لم یفعل ذالک

اقول وباللہ التوفیق

واعظ کہ دی نصیحت میکرد عاشقاں

امروز مست دیدم تقوے بباد دادہ

فاضل معاصر نے اپنے رسالہ کے آخر میں جہاں وجوہات معاملین سماع کی تردید کرتے ہیں فرماتے ہیں۔ ثامن یہ کہ تحلیل بعض معازف میں بعض اکابر علماء کے قول کو نقل کر کے سکوت کرتے ہیں اور ان کے قول محرم کو پیش نہیں کرتے۔ انتہی افسوس کہ اس مقام میں خود جناب نے یہی سلوک کیا۔ کیونکہ ردالمختار کی عبارت جہاں تک تو جناب کو اپنے مطلب کے مفید نظر آئی اس کو نقل کر لیا اور جب قول محقق تصفیہ کن آ گیا۔ جس کو جناب نے اپنے مطلب کے برخلاف سمجھا تو اس کو بالکل ترک کر دیا۔ اب اگر اس کا نام ایمانداری ہے تو جناب محللین کو اس کا الزام لگا کر عیب کیوں جانتے ہیں اور اگر اس کا نام خیانت ہے تو اس میں جناب کا نمبر اول نکلا۔ بہرحال یہ چال مذموم ہے۔ **یا ایھا الذین اٰمنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون** اب ہم اس عبارت ردالمحتار کو بتمام نقل کر کے پیش کرتے ہیں جس سے قارئین کرام کو روشن ہو جائے گا کہ فاضل معاصر نے کس قدر ایمانداری سے کام لیا ہے:

قوله (ومن يستحل الرقص قالوا بكفره) المراد به التمائل و الخفض و الرفع بحركات موزونة كمايفعله من يناسب الي التصوف وقدنقل فے البزازية عن القرطبی اجماع الائمة علٰی حرمة هذا الغناء وضرب القضيب والرقص قال ورايت فتوی شيخ الاسلام جلاله الملة والدين الكرمانی ان مستحل هذا الرقص كافر وتمامه فے شرح الوهبانية ونقل فی نور العين عن التمهيد انه فاسق لا كافر ثم قال التحقيق القاطع للنزاع فی امر الرقص و السماع يستدعی تفصيلا ذكره فی عورف المعارف واحياء العلوم وخلاصة ما اجاب به العلامة النحرير ابن كمال باشا بقوله

ترجمہ کا خلاصہ: یعنی رقص سے مراد ٹیڑھا ہونا اور نیچا اونچا ہونا حرکات موزونہ کے ساتھ جیسا کہ وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنے آپ کو صوفی کہلاتے ہیں اور بزازیہ میں قرطبی سے اس غنا اور قضیب کے مارنے اور رقص پر اجماع اماموں کا منقول کیا ہے۔ کہا میں نے دیکھا ہے شیخ الاسلام جلال الملۃ والدین کرمانی کا فتویٰ کہ اس رقص کے حلال جاننے والا کافر ہے اور تمام اس عبارت کا شرح ورہبانیہ میں ہے اور نورالعین میں تمہید سے منقول ہے کہ فاسق ہے کافر نہیں۔ پھر کہا کہ تحقیق نزاع کے قطع کرنے والی رقص اور سماع کے بارہ میں تو تفصیل کو تقاضا کرتی ہے جو کہ عوارف المعارف اور احیاء العلوم میں مذکور ہے اور خلاصہ اس کا وہ ہے جو شیخ الاسلام ابن کمال باشا نے ذکر کیا ہے۔

مَافِی التَّوَاجُدِ اِنْ حَقَّقْتَ مِنْ حَرَجٍ وَلَا التَّمَائِلُ اِنْ اَخْلَصْتَ مِنْ بَاسٍ فَقُمْتَ تَسْعٰی عَلٰی رِجْلٍ فَحَقٌّ لِمَنْ دَعَاهُ مَوْلَاهُ اَنْ يَّسْعٰی عَلَی الرَّأْسِ الرخصة فی ما ذكر من الاوضاع عند الذكر والسماع للعارفين الصارفين اوقات هم الٰی احسن الاعمال السالكين المالكين لضبط انفسهم عن قبائح الاحوال فهم لا يستمعون الا من الالٰة ولا يشتاقون الا له ان ذكروه فاجوا وان شكروه باحوا وان وجدوه صاحوا وان شهدوه استرحوا وان سرحوا فی حضرة قربة حوا واذا غلب عليهم الوجد بغلباته وشربوا من موارد

اراداته فمنهم من طرقة طوارق الهيبة فخر وذاب ومنهم من برقت له بوارق اللطف فتحرک وظاب ومنهم من طلع عليه الحب من مطلع القرب فسکرو غاب۔ ھذا ما عن لی فی الجواب واللّٰہ تعالٰی العلم بالصواب

وَمَنْ یّکُ وَجْدُہ' وَجْدًا صَحِیْحًا فَلَمْ یَحْتَجْ اِلٰی قَوْلِ الْمُغَنِیّ لَہ' مِنْ ذَاتِہٖ طُرْبٌ قَدِیْمٌ وَسُکْرٌ دَائِمٌ مِنْ غَیْرِ دَنٍّ

شعر کا ترجمہ: وجد اگر محقق اور سچا ہو تو اس میں کوئی جرح نہیں اور تمائل یعنی نیچا اونچا ہونا اگر خالص ہو (ریا وغیرہ نہ ہو) تو اس میں بھی کوئی خوف نہیں یعنی جائز ہے پس تو کھڑا ہو کر دوڑتا ہے پاؤں پر اور جس شخص کو اپنا مولٰی پکارے اور بلائے اس کو سر پر دوڑنا حق ہے ان اوصاف مذکورہ میں رُخصت ہے وقت ذکر اور سماع کے اُن عارفوں کے لیے جنہوں نے اپنے اوقات کو نیک عملوں پر خرچ کیا۔ سالک ہیں اور برے اعمال سے اپنے نفسوں کو ضبط کرنے کے مالک ہیں پس وہ نہیں سنتے مگر اللہ تعالٰی سے اور نہیں شوق رکھتے مگر اسی کے واسطے اگر ذکر کرتے ہیں نیا حب کرتے ہیں اور شکر کرتے ہیں تو باحہ کرتے ہیں اور اگر اس کو پا لیتے تو فریاد کرتے ہیں تو اگر مشاہدہ کرتے ہیں تو آرام پاتے ہیں اور جب اُس کے حضور میں آئیں تیرتے ہیں اور جب ان پر وجد غلبہ کرے اور اس کے ارادہ کے موارد سے پائیں بعض ان میں ہیبت میں آکر گر جاتے ہیں اور بعض لطف محسوس ہو کر حرکت کرتے اور بعض جب منہ دکھاتا ہے تو مست ہو کر غائب ہو جاتے ہیں یہ وہ ہے جو مجھے جواب کی سوجھی۔ واللہ اعلم بالصواب

اور جس شخص کا وجد صحیح ہو تو مغنی کی قوالی کی طرف محتاج نہیں ہوتا۔ اسی کے واسطے اللہ تعالٰی کی ذات سے طرب قدیم ہے اور مستی دائم سوائے اس دن کے۔

سبحان اللہ علامہ شامی نے تواجد اور تمائل کا خوب فیصلہ کر دیا ہے اور سماع حق کو بھی باحسن الوجوہ حلال کر دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اس نزاع کے قطع کرنے والا مذاکرہ تو احیاء العلوم وعوارف المعارف میں ہے لیکن خلاصہ اور حاصل اس کا یہی ہے جو اَب ذکر کیا گیا ہے۔

ناظرین کرام! اس عبارت کو دیکھ کر اندازہ لگایا ہوگا کہ فاضل معاصر نے اس عبارت کے ترک کرنے میں کس قدر خیانت ورزی کی ہے لیکن وہ بیچارے تو حرمت سماع میں ایسے محو ہو گئے ہیں جو حلال کی طرف اُن کی آنکھ بھی نہیں پھرتی۔ سچ ہے **حبک الشیٔ یعمی ویصم**

قال وایضا فیہ اس میں ایک اور خیانت ہے۔ کیونکہ اس عبارت کے ماقبل وہ روایات ہیں جو اباحت سماع پر صریحاً دال ہیں ہم اُن کو ناظرین کرام کے پیش کرتے ہیں:

اقول وفی شھادات الفتح القدیر بعد کلام عرفنا من ھذا ان التغنی المحرم ما کان فی اللفظ ما لا یحل کصفۃ الذکور والمرأۃ للعینۃ الحیۃ ووصف الخمر المھیج الیھا والحانات والمجاء لمسلم او ذمی اذا اراد المتکلم ھجاءہ لا اذا اراد انشادہ للاستشھاد بہ او لیعلم فصاحتہ وبلاغتہ او کان فیہ وصف امرءۃ لیست کذالک او الزھریات المتضمنتہ وصف الریاحین والازھار والمیاہ فلا وجہ یمنعہ علٰی ھذا نعم اذا قبل ذالک علی الملاھی متنع وان کان مواعظ وحکما للالات نفسھا لا کذالک التغنی اہ ملخصاً وتمامہ فیہ فراجعہ وفی للتقی وعن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ کرہ رفع الصوت عند قرأۃ القران والجنازۃ والزحف والتذکیر فما طنک بہ عند الغناء الذی یسمونہ وجدا او محبتہ فانہ مکروہ لا اصل لہ فی الدین قا الشارح زادہ الخ

یعنی فتح القدیر میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ غنا حرام وہ ہے جو ناجائز الفاظ میں ہے جیسا کہ کئی مرد یا عورت معینہ زندہ کی وصف یا شراب کی ایسی تعریف کی جائے جس سے اس کی طرف شوق پیدا ہو اور راگنی اور مسلم یا ذمی کی شکایت ہو اور جب اشعار کا پڑھنا بغرض استشہاد کے ہو یا بغرض اظہار فصاحت و بلاغت ہو یا اس میں عورت کی وصف تو ہے مگر نہ اس طرح جس طرح مذکور ہوا یا زہریات جس میں بوٹیوں اور پھولوں اور پانیوں کے اوصاف ہوں تو جائز ہے۔ اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اگر یہ بغرض ملاہی ہوں تو ناجائز ہوگا۔ اگرچہ وعظ وحکمت ہو آلات کے لیے نہ غنا کے لیے اور ملتقی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکروہ جانا آواز کا بلند کرنا وقت

تلاوت قرآن کے اور جنازہ کے اور زحف اور تذکیر کے پس کیا گمان ہے تیرا ایسے وقت غنا کے جسے وجد اور محبت کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ مکروہ ہے اس کا دین میں کوئی اصل نہیں۔

اب ناظرین کرام کو اس بات کا خوب اندازہ ہو گیا ہو گا کہ جناب نے صرف ایک کتاب کی روایات نقل کرنے میں کس قدر خیانتیں کی ہیں۔ یہ بطور مشت نمونہ خروار ہے۔ تمام روایات منقولہ کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔ تمام کا احصاد باعث طوال وملال ہے۔

قال وما نقل انه علیه السلام سمع الشعر لم یدل علی اباحة السماع

اقول یا تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شعر سننے کا انکار کر دیں تو ہم اس کا جواب دیں گے اور اگر انکار نہ کریں تو اباحۃ سماع کا ضرور قائل ہونا پڑے گا۔ کیونکہ حضور کے افعال واقوال عین شرع ہیں۔ اگر آپ کے سننے سے اباحت ثابت نہ ہوئی۔ تو کیا کسی دوسرے شخص سے ثابت ہو گی۔

قال یجوز حمله علی الشعر المباح المشتمل علی الحکمة والوعظ

اقول ہماری بحث بھی صرف اشعار مباحہ میں ہے جو اشعار محرمہ ہیں اُن کی حرمت میں تو کوئی شک نہیں کرتا۔ فاضل معاصر کو اس عبارت نے کیا فائدہ دیا ہو گا جو اپنے رسالہ میں لکھ بیٹھے ہیں۔ یہ اُس کے مدعا کے برخلاف ہے۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں **الشعر المباح سمعه النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **و کلما سمعه النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **فهو لیس بحرام** اس کا نتیجہ یہ ہے کہ الشعر المباح لیس بحرام جس سے ہمارا مدعا ثابت ہو گیا اور جناب کا دعویٰ باطل ہو گیا۔

قال وحدیث تواجده علیه السلام لم یصح

اقول بلکہ اس میں کلام تو طویل ہے مگر غیر ضروری سمجھ کر متروک ہوئی۔

قال وایضاً فیه فی التاتار خانیه عن العیون ان کان السماع سماع القران والموعظة یجوز وان کان سماع غناء فهو حرام باجماع العلماء

اقول اس عبارت سے فاضل معاصر نے کیا سمجھا۔ اگر جمیع انواع غنا حرام سمجھے تو سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ کبار وفقہاء ومحدثین کے اقوال وافعال اس کا معارضہ کریں گے اور اگر بعض غنا حرام

سمجھا تو اس سے آپ کا مدعا پورا نہ ہو سکے گا۔

قال و ایضا فیه و الحاصل انه لا رخصة فی السماع فی زماننا لان الجنید علیہ الرحمۃ تاب عن السماع فی زمانه

اقول اولاً تو جناب نے نقل عبارت میں پھر خیانت کیا ہے۔ کیونکہ پہلے قول اور اس قول کے درمیان میں جو روایات محللہ تھیں ان کو ترک کر دیا اور صرف روایات محرمہ نقل کر لیے وہ عبارت یہ ہے **و من اباحه من الصوفیة فلمن تخلی عن اللهو و تحلی بالتقوی و احتاج الی ذالک احتیاج المریض الی الدواء و له شرائط ستة (۱) ان لا یکون فیهم امرد (۲) و ان تکون جماعتهم من جنسهم (۳) و ان تکون نیة القوال الاخلاص لا اخذ الاجر و الطعام (۴) و ان لا یجتمعوا الا جل طعام او فتوح (۵) و ان لا یقوموا الا مغلوبین (۶) و ان لا یظهروا وجدا الا صادقین** ترجمہ اور جس نے صوفیہ میں سے سماع کو مباح جانا وہ اُس شخص کے واسطے ہے کہ لہو ولعب سے خالی ہو اور تقویٰ اور اخلاص سے موصوف ہو اور سماع کی طرف ایسا محتاج ہو جیسا کہ مریض دوائی کی طرف محتاج ہوتا ہے اور اس کے لیے چھ شرطیں ہیں۔ اوّل یہ کہ اُن میں حسین نابالغ لڑکا نہ ہو۔ دوئم یہ کہ تمام جماعت ایک ہی جنس کی ہو یعنی (تمام حاضرین میں سے نقشبندیہ نہ ہو) سوئم یہ کہ قوال کی نیت اخلاص کی ہو مزدوری یا کھانے کی وجہ نہ ہو۔ چہارم یہ کہ اجتماع جماعت بغرض طعام یا آمدنی کے نہ ہو۔ پنجم یہ کہ سوائے مغلوبیت کے کھڑے نہ ہوں۔ ششم یہ کہ وجد صادق کا اظہار کریں۔

ثانیاً جنید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہرگز سماع سے توبہ نہیں کی۔ اور نہ اس کو اس سے توبہ کرنی مناسب تھی کیونکہ خود ان کا مقولہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس طائفہ پر تین موقعہ میں نازل ہوتی ہے ان میں ایک موقعہ سماع بھی ہے جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ایسا جلیل القدر ولی رحمت کے نزول سے تائب ہو جائے یا معاذ اللہ جھوٹ بولے۔ اگر سماع ان کے نزدیک گناہ ہوتا تو اتنی مدت گناہ میں مبتلا ہونا اس کو ولایت کے درجہ میں نہ چھوڑتا۔ بلکہ ان کا اس سماع کو ترک

کردینا اس وجہ سے تھا کہ ایسے منصب کو پہنچ گئے جہاں سماع کی حاجت نہ رہی کیونکہ سماع اہلِ حق کے واسطے سیڑھی ہوتی ہے جس کے ذریعہ مناسب علیا کو پہنچتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ جب کسی مقام عالی پر چڑھنا مقصود ہو۔ تو سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے اور جب چڑھ گیا تو سیڑھی کو ہٹا لیا جاتا ہے۔ یا بوجہ نہ ملنے اخوان الطریقت متحد الجنس کے جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے۔ **و بعضھم نقل عنھم ترک السماع و یظن انه کرھه و کان سبب ترکه استغناء ہ عن السماع بماذکرناہ و بعضھم کان من الزھاد و لم یکن له حظ روحانی فی السماع و لا کان ھو من اھل الھو فترکه لئلایکون مشغولا بما لا یعینه و بعضھم ترکوا الفقد الاخوان قیل لبعضم لم لا تسمع فقال مِمَّن و مَعَ مَن انتھی** ترجمہ: اور بعض سے منقول ہے کہ سماع کو ترک کردیا اور گمان کیا جاتا ہے کہ شاید انہوں نے اس کو مکروہ جانا حالانکہ ان کے ترک کرنے کا سبب یا تو سماع کی حاجت نہ رہنی ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور بعض زاہد تھے اور ان کو روحانی خظ نہیں تھا۔ اور نہ صاحب لہو تھے سماع کو ترک کردیا۔ تاکہ بے فائدہ چیز کے ساتھ مصروف نہ ہوں اور بعض نے بوجہ مفقود ہونے ہم جنس کے سماع کو ترک کردیا۔ بعض اولیاء کو کہا گیا ہے کہ سماع کیوں نہیں سنتے کہا کس سے اور کس کے ساتھ۔

قال و فی الھندیة و من التیمیة سئل الحلوانی عمن سمّوا انفسھم بالصوفیة فاختصوا بنوع لبسة و اشتغلوا بالھو و الرقص و ادعوا لانفسھم منزلة افقال افتروا علی اللہ کذبا

اقول یہ عبارت ہمارے مدعا کی ہرگز مزاحم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو صوفی کہلاتا پھرے اور ایسا لباس پہنے جس سے وہ صوفی کہلانے کا مستحق بنا رہے اور لہو و رقص کے ساتھ مشغول ہو اور اپنے منزلت کا دعویٰ کرے وہ ہمارے نزدیک بھی برائی ہوگی **فان اللہ لا یقبل عمل المرائین** ایسے شخص کی حرمت تو اتفاقی ہے۔

قال قال السماع و القول و الترقص الذی یفعله المتصوفه فی زماننا حرام لا

یجوز القصد الیہ و الجلوس علیہ وھو الغنا و لمز امیر سواء

اقول اس عبارت کے مابعد اس رقص اور سماع کی تفصیل کر دی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو رقص اور سماع اہلِ حق کا ہے اس کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور اہل باطل اور فساق کا ہے وہ ہرگز جائز نہیں عبارت یہ ہے

و جوّز اھل التصوف و احتجوا بفعل المشائخ من قبلھم قال و عندی ان مایفعلو نہ غیر ما یفعلہ ھٰؤلاء فان فی زمانھم ربما ینشد و احد شعر افیہ معنی یوافق احوالھم فیوافقہ و من کان لہ قلب رقیق اذا سمع کلمتہ توافقہ علی مر ھو فیہ ربما یغشیٰ علیٰ عقلہ فیقوم من غیر اختیار و تخرج حرکات منہ من غیر اختیارہ و ذالک مما لا یستبعد ان یکون جائز امما لا یوءخذیہ و لا یظن فی المشائخ انھم فعلوا مثل مایفعل اھل زماننا من اھل الفسق و المباحین و الذین لا علم لھم با حکام الشرع و انما یتمسک با فعال اھل الدین کذافی جواھر الفتاوی و سئل ابو یوسف عند الدف اتکرھہ فی غیر العرس بان تضرب المراۃ فی غیر فسق للصبی قال لا اکرہ و اما الذی یجیءمنہ اللعب الفاحش للغناء فانی اکرہ کذافی محمد السرخسی و لا باس بضرب الدف یوم العید کذافی خزانۃ للمتقین اس عبارت سے امور ذیلہ حاصل ہوئے الاول اہلِ حال کے لیے سماع اور رقص کا جائز ہونا و الثانی جہال اور فساق کے لیے سماع اور رقص کا ناجائز ہونا و الثالث شادی وغیرہ کے ماسوا بھی دف کا بجانا حلال ہونا بشرطیکہ نیت فاسد نہ ہو و الربع مجلس لعب فاحش میں غنا کا مکروہ ہونا و الخامس عید کے دن دف کا بجانا اور سننا مباح ہونا۔ اب بتایئے کہ فتاویٰ ہندیہ نے فاضل معاصر کے دعویٰ کا اثبات کیا کہ ہمارے مدعا کا فاضل معاصر تو حرمت سماع علی الاطلاق کے قائل ہیں۔ اس کے دعوے کی تو بالکل بیخ کنی کر دی۔ البتہ ہمارا چونکہ مدعاء ہی تفصیلی تھا۔ یعنی بغرض صالح اگر استعمال کیا جائے تو مباح ہے اور اگر بغرض فاسد ہو تو حرام تو اس کی تصدیق بھی کر دی۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

یہیں کہ رقص کناں میرودینالہ تک

کسے کہ اذن ندا دے با ستماع سماع

عجب تو یہ ہے کہ فاضل معاصرے سیاق عبادت فتاوے ہندیہ کوایسا توڑا کہ پہلی روایات جو میں نے اب کہی ہیں اپنے مدعا کے برخلاف سمجھ کر چھوڑ دیا اور بیچ میں صرف ایک فقرہ اپنے خیال کے مطابق سمجھ کر نقل کرلیا۔ اوراس کے بعد جو روایات ان کے مخالف تھیں ان کو بھی ترک کر دیا جن کا خلاصہ یہ ہے کہ غنا مجرد میں اختلاف ہے۔ شیخ الاسلام تو اس کو مطلقاً حرام کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر اس سے نظم القوافی حاصل کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ اگر اکیلا ہو اودفع وحشت کے لیے کوئی غزل گائی جائے تو جائز ہے امام شمس امامہ سرخسی بھی اسی طرف مائل ہیں۔ اور اگر اشعار حکمت یہاں عبرت یا نقاہت آمیز ہوں تو مکروہ نہیں۔ اور اشعار مباحہ پڑھنے مکروہ نہیں۔ اور گر ان میں کسی عورت زندہ میعنہ کے اوصاف ہوں تو مکروہ ہے۔ اور اگر عورت مردہ کے ہوں مکروہ نہیں۔ اور اگر عورت غیر معینہ کے اوصاف گائے جائیں تو ہم مکروہ نہیں ۔اور جن اشعار میں فسق یا شراب یا لڑکوں کا ذکر ہو تو ان کا گانا مکروہ ہے۔ لڑکے اور عورت کا ایک ہی حکم ہے۔ اور اشعار کے پڑھنے کی کراہت کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کے پڑھنے سے قرآن شریف اور ذکرِ الٰہی ا سے محروم ہو جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ جب اس سے علمِ تفسیر اور حدیث کو امداد ملے۔ انتہیٰ ملخصاً مترجمہ: فاضل معاصر کی حرمت علی الاطلاق کہاں گئی۔

قال و فی مدخل ابن الحاج و قد ذکر ان بعض الناس عمل فتوی و کان ذالک فی سنه ۱۲۱ ا احدی و ستین و ستمأة و مشی بها علی اربع مذاهب و لفظها سوال ما تقول سادة الفقهاء دائمة الذین و علماء المسلمین و فقهم اللہ تعالی لطاعة و امالهم علیٰ مرضاتهِ فی جماعته من المسلمین وردوا الیٰ بلد فقصدوا الی المسجد و شرعوا یصفقون و یهنون و یرقصون تارة بالکف و تارة بالدفوف و الشابة فهل یجوذ ذالک فی المساجد شرعاً افتونا ماجو دین یرحکم اللہ تعالیٰ الجواب فقالت الشافیعة

السماع لهو مکروہ یشبہ الباطل بہ ترد شہادۃ واللہ اعلم

اقول شافعیہ کے جواب میں ان کے امام کی تصریح پیش کی جاتی ہے شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں کہا ہے۔ واما امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گفتہ است غزالی کہ تحریم غنا مذہب او نیست وتتبع کردم چندیں کتب از مصنفات دے راندیدم وانصے بتحریم وے واستاد ابو منصور بغدادی گفتہ کہ مذہب وے اباحت سماع است بقول والحان چون بشنو دمرد ازمرد یا از جاریہ خود یا امرۃ کہ حلال است نظر بوے یا بشنو د درخانہ خود یا خانہ اصدقاء خود دنشنو د آں درمیان راہ وبناشد سماع مقترن بچیدے از منکرات وضائع نکند بسبب آں اوقات نماز را۔ وروایت کردہ است ابو منصور بغدادی از یونس بن عبدالاعلیٰ کہ شافعی استصحاب کرد مرا بسوی مجلس کہ دردے قینہ بود کہ تغنی میکرو چوں فارغ شد قینہ گفت شافعی آیا خوش کردی توایم را گفتم نہ گفت اگر راست میگوئی نیست تراحس صحیح یعنی خوش اشتن غنا علامت سلامت طبع است و ناخوش داشتن آں نشان احوجاج طبعیت ونقصان حس از ینجی معلوم ہےشود کہ دلیلِ شرعی برحرمت وکراہت آں نیست۔ اگر آں بودے خوش واشتن طبع آئرا چہ فائدہ کو دیے۔ ورتاثیر نغمہ در طبائع ہیچکس سخن نیست کہ در حیوانات موجود است چہ جائے آدمیاں ومنقول است کہ **الغناء لهو مکروہ یشبہ الباطل** وگفتہ اند کہ تواند کہ مراد بمکروہ آن باشد کہ ترک آن اولیٰ است کہ اطلاق او بایں معنی آمدہ است وغزالی گفتہ کہ دلالت نیست میں را برحرمت وکراہت بلکہ اگر باطل نیز گفتے دلالت نبودے زیرانکہ معنی باطل فائدہ بناشد دروے است ازیں الفاظ کہ دلالت وارد بر تغلیظ برغنائیکہ مقترن است بفحش یا منکر۔ پس تحریم از جہت عارض باشند از جہت معنی کہ در ذات غنا است و بالجملہ بتحقیق صحیح شدہ است از قول وفعل شافعی چیزیکہ صریح است دراباحت ونیست نص درتحریم واز یونس بن عبدالاعلیٰ مروی است کہ پرسیدم شافعی را از اباحت اہلِ مدینہ سماع را گفت کہ نے دانم کسے را از اہلِ حجاز کہ سماع رامکروہ داشتہ باشد مگر از اوصاف عارجہ وے انتہی ملخصاً۔ اس تحقیق نے مجیب کے جواب کی خوب تردید کردی کیونکہ یونس بن عبدالاعلیٰ جو کہ خاص شاگرد ومصاحب امام شافعی کے ہیں

اورامام غزالی بحرِ ذخائر ہین جو کہ اپنے مذہب کے اصول وفروع سے بخوبی واقف ہیں بڑی جرأت سے اپنے امام کا عندیہ کھول کر سنا دیا ان کے مقابلہ میں کون دم مارسکتا ہے۔ ہاں اگر اس سے مجیب کی غرض صرف نقل قول امام ہے تو اس کا معنی آپ نے سن لیا ہے۔ اور اگر تحریم ہے تو وہ غلط ہے واللہ اعلم

قال و قالت المالکیۃ یجب علی ولاۃ الا مرزجرھم وردعھم واخراجھم عن لمساجد حتی یتوبوا ویرجعوا واللہ اعلم

اقول مالکیہ کے جواب میں امام مالک کا قول اور فعل پیش کیے جاتے ہیں جن سے مجیب کا صدق وکذب معلوم ہو جائے گا۔ مدارج النبوۃ میں ہے در سیدہ شداز مالک از سماع گفت دریافتم اہلِ علم رادر بلاوخود کہ منکر نیستند آں رادنمے شنیدازاں وگفت کہ منکر نمے شود آں را مگر عامی یا جاہل یا عراقی غلیظ بطبع وہمچنیں نقل کردہ است ازوے عدلی وحکایت کردہ است اباحت را از دے وامام قشیری واستاد ابومنصور وقفال وغیر ایشان وآنچہ نقل کردہ شدہ است از مالک رحمۃ اللہ علیہ کہ گفت نمے شنوند آں۔ را مگر فاسقاں محمول است بر غنائیکہ مقترن است بوے منکر جمعاً بین القول والفصل وسیدنداز وے راز ہیم بن سعد از احوال مالک پس گفت خبر دار ندمرا کہ دعوتے بود دُر بنی یربوع و باقوم دفوف بود دعودنا کہ تغنی میکردند ولعب می نمودنداں و بود با مالک دف مربعہ کہ می زد آں راد تغنی می نمود انتہیٰ ملخصاً۔ اس تقریر نے مجیب کی قلعی کھول دی اور امام مالک کے افعال واقوال کو بخوبی بیان کر دیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ حرمت غناء علی الاطلاق نہ اس کا قول اور مذہب جس نے اس کیطرف نسبت کیسا بہتان باندھا۔ واللہ اعلم

قال و قالت الحنابلۃ فاعل ذالک لا یصلی خلفہ ولا یقبل شھادتہ ولا یقبل حکمہ ان کان حاکما وان عقد النکاح علی یدہ فھو فاسد واللہ اعلم

اقول ان حنابلہ کے اپنے کی مذہب کی تقریر بھی ذرا سن لیجئے پھر اس جواب کے صدق و کذب کا اندازہ لگا لیجئے گا۔ محدث دہلوی مدارج النبوت میں لکھتے ہیں واما امام احمد بن حنبل صحیح

شدہ است روایت کہ وے شنید است غنا را تر د پسر خودش کہ نام دے صالح است روایت از ابوالعباس قرعالی کہ میگفت شنیدم صالح بن احمد بن حنبل را کہ می گفت بودم من دوست میداشتم سماع را و بود پدر من کہ ناخوش میداشت آں را پس کردم ابن جنادہ را کہ باشد تر دمن شبے۔ پس باشید تر دمین تا دنستم کہ خواب کرد پدر من پس شروع کرد ابن جنادہ در تغنی پس شنیدم آواز پائے را بر بام پس برآدم بالائے بام و دیدم پدر خود را بالائے بام کہ مے شنود غنائے را و دامن در زیر بغل اوست ودے می خرامد بالائے بام گویا کہ رقص میکند ومثل ایں قسہ از عبداللہ بن احمد بن حنبل نیز منقول است وایں دلالت دارو براباحت سماع تر دددے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وآنچہ منقول است از دے مخالف ایں محمول است بر غناء مذموم مقترن بفحش ومنکرات۔ وروایت کردہ شدہ است از احمد کہ وے شنید قوال را تر دد پرش صالح وانکارنکرد۔ پس گفت پسر دے اے پدر آیا نبودی تو کہ انکارمی کردی ومکروہ می داشتی تو آں را گفت پسر وے اے پدر اند کہ استعمال میکنند باوے منکر راانتہی ۔ان روایات نے تمام حالات امام الحنابلہ کے کھول دیئے۔ پرکسی مقلد حنبلی کی کیا طاقت کہ علی الاطلاق سماع کوحرام بلکہ اسی تغلیظ کہ اس کوتوبہ پر مجبور کیا جائے۔اوران کومساجد سے نکال دیا جائے۔ان کو چاہیے کہ پہلے اپنے ہم مذہب کواوراس کےلڑکوں کومسجد سے نکال دیں کیونکہ وہ تو سنتے رہتے ہیں۔

قال وقالت الحنفية الحصيرة التی ترقص فيها لا يصلىٰ عليها حتى تغسل والارض التی ترقص عليها لا يصلی عليها حتیٰ يحضر ترابها ويرمی واللہ اعلم

اقول اوران مشددین حنفیت کے اپنے امام اعظم رحمۃ علیہ کا معاملہ پیش کیا جاتا ہے جس سے واضح ہوجائے گا کہ اس مشدد نے کس قدر گستاخی سے کام لیا ہے۔ مدارج النبوت میں ہے۔ حکایت است از صاحب تذکرہ کہ پرسیدہ شد از امام ابوحنیفہ وسفیان ثوری از غناء۔ پس گفتند ہردہ کہ نیست غناء از کبائر ونہ از اسود صغائر ونقل کردہ اند کہ امام ابوحنیفہ را ہمسایہ بود کہ ہر شب بوے خاست وتغنی میکرد وامام گوش میداشت تغنی اورا ونشنید شبے آواز وے۔ گفتند کہ بیروں برآمدہ بود

دے امشب۔ پس گرفتند و درزماں کردند اوراپس پوشید امام عمامہ خودرا بروقت تر دامیر وشفاعت کرد اوراو خلاص گرانید و پرسید امیر کہ نام اوچیست گفتند عمر۔ پس برآورازِ زماں ہر کہ را عمر نام بود۔ وگفت امام باآں مرد کہ باز گرد باآنچہ میکردی ہرشب وچوں گوش داشت امام ابوحنیفہ او و نہی نکرد اورادلالت کرد بر اباحت تغنی تر ددے۔ واستماع دے ہرشب آں ورع وتقویٰ کہ وے داشت حمل منی تواں گرد مگر بر اباحت۔ پس آنچہ دارد شدہ از سے پر خلاف آں حمل کردہ شود بر غناء مقترن بفواحش از برائے جمع میاں قول وفعل دے۔ وحال آنکہ گرفتہ نشد است تحریم مگر از مقتضائے فعل وے۔ رازنص قول دے چنانکہ رفت بولیمہ کہ دروے غناء بود و مانند آں وحکایت کردہ است ابن قیتبہ کہ ذکر کردہ شد تر دابی یوسف مسئلہ غناء پس ذکر کردہ قصہ جابر و ابوحنیفہ را و حکایت کردہ شدہ است از امام ابو یوسف کہ بسا کہ حاضری شد مجلس رشید دمے بود دروے غنا پس مے شنید و مے گریست انتہی ۔ اب ان روایات نے تمام شقوق جواب کی تر دید وتکذیب کردی فاضل معاصر نے اپنے رسالہ میں ایسے فضول مباحث کو درج کرنے میں فائدہ حاصل کیا۔

باتو ار ہر طرفے صد سخن آرم میاں

ہر جو ایکہ دہی باز در آئم بہ سوال

اور رقص کی تحقیق وتفصیل پہلے مذکور ہوئی کہ دو قسم ہے مذموم ومحمود۔ خواہ کوئی قسم بھی نہ ہو اس سے چٹائی مسجد کی ناپاک ہوتی ہے اور نہ ہی مسجد۔ کیونکہ احناف کے نزدیک جب مشرک مسجد میں داخل ہوکر چٹائی پر قدم رکھے۔ تو اس سے نہ چٹائی کا دھونا فرض ہوجاتا ہے اور نہ مسجد کا فرش اٹھانا۔ نامعلوم رقص کرنے سے کیوں یہ تمام ناپاک ہورہے ہیں۔ کیا رقص شرک سے بھی بدتر ہے وقد قال اللہ تعالیٰ ان المشرکین نجس ٭ (سورۃ التوبہ) اس مجیب کی جرأت و بے باکی پر افسوس ہے۔ کہ ایسے کلمات غلیظ بے سند بول کر فاضل معاصر جیسے عالی مزاج آدمی کو خوش تو کردیا۔ لیکن اپنی عاقبت کا خیال نہ کیا۔

قال وقد قال الشیخ الامام ابو عبد اللہ القرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ فی تفسیرہ حین

تکلم علیٰ قصۃ السامری فی سورۃ طٰہٰ سئل الامام ابو بکر الطوطوسی رحمۃ اللہ علیہ السوال ما یقول سیدنا الفقیہ فی مذھب الصوفیۃ حر من اللہ مذھبہ انہ اجتمع جماعۃ من الرجال یکثرون من زکر اللہ تعالیٰ و ذکر محمد ﷺ ثم انھم یو قعون اشعار امع الطقطقۃ بالقصیب علیٰ شیء من الا دیم و یقوم بعضھم و یر قص و یتو اجد حتی یخر مغشیاء علیہ و یحضرون شیئا یا کلونہ ھل الحضور معھم جائز ام لا افتونا یر حکم اللہ تعالیٰ و ھذا القول الذی یذکرون ٭

یاشیخ کف عن الذنوب

قبل التفرق و الذلل

واعمل لفسک صالحا

مادا م ینفعک العمل

الجواب فاجاب بقولہ یر حکم اللہ مذھب ھوء لا ء بطالۃ و جمالۃ و ضلالۃ و ما سلام الا کتاب اللہ و سنۃ رسولہ صلے اللہ علیہ و سلم و اما الرقص و التواجد فاول من احدنہ اصحاب السامری لما اتخذ لھم عجبلا جسد ا لہ خوار قاموا یر قصون الیہ فھو دین الکفار و عباد العجل و اما القضیب فاول من احدثہ الزنا د قۃ للیتستغلو بہ المسلمین عن کتاب اللہ و انما کان النبی ﷺ مع اصحابہ کانما علی روسھم الطیر من الوقار فینبغی للسلطان و نوابہ ان یمنھعم من الحضور فی المساجد وغیر ھا و لا یحل لا حد یؤ من باللہ و الیومہ الا خران یحضر معھم و لا یعینھم علی باطلھم ھذا مذھب مالک و ابی حنیفۃ و الشافعی و احمد بن حنبل و غیر ھم من ائمتہ المسلمین و باللہ التوفیق

اقول و اعتصم بحبل اللہ المتین یہ جواب غلط اور مخالف کتاب اللہ وسنۃ الرسول ﷺ معمولات ائمہ اربعہ وسلف صالحین ہے بچند وجوہ الاول سوال میں جو پہلا فقرہ درج ہے اس کا

حاصل یہ ہے کہ مرد جمع ہوکر اللہ تعالیٰ کا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کو مجیب نے بطالت و جہالت وضلالت قرار دیا ہے۔ العیاذ باللہ حالانکہ خداوند کریم کا ارشاد ہے **فاذ کر ونی اذ کر کم ۰** (سورۃ الاحزاب) یعنی تم میرا ذکر کیا کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور ثابت بنانی نے کہا کہ جب مجھے اللہ تعالیٰ یاد کرتا ہے مجھے معلوم ہو جاتا ہے۔ حاضرین نے کہا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوسکتا ہے۔ اس نے کہا کہ جب میں اللہ تعالیٰ کو یاد کروں وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ **و قال اللہ تعالیٰ اذ کر و اللہ ذ کر اً کثیر ا** یعنی اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔ **و لا یذ کر و ن اللہ الا قلیلا** یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا **و قال تعالیٰ الذین یذ کر و ن اللہ قیاما و قعو دا و علیٰ جنو بھم ۰** (سورۃ العمران) یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے **لذ کر اللہ عز و جل بالعذاۃ و العشی افضل من حطبه السیو ف فی سبیل اللہ و من اعضا للاسماً** یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر صبح اور شام بہتر ہے اللہ کے راستہ میں تلواروں کے چلانے اور بہت مال خرچ کرنے سے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب مجھے میرا بندہ اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو جی میں یاد کرتا ہوں اور جو جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے اچھی جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ اور حدیث شریف میں ہے جس مجلس میں لوگ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس مجلس کو فرشتے اپنے پروں سے ڈھانک لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر محیط ہوتی ہے اور خداوند اپنے فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں جو لوگ جماعت بن کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں جس سے ان کی غرض صرف رضامندی ہونے کی ہو۔ تو ان کو آسمان سے منادی آواز کرتا ہے کہ چلو تمہارے گناہ سب صاف کیے گئے ہیں۔ اور تمہارے گناہ نیکیوں کے ساتھ بدلائے گئے ہیں۔ ان تمام احادیث کو امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے۔ ان احادیث و آیات سے ذکر کی فضیلت بخوبی ثابت ہوگئی۔ تو جس شخص نے ذکرِ اللہ کو بطالت و جہالت وضلالت کہا ہے۔

اس کے منہ میں خاک کا لقمہ دینا چاہیے۔

ہر آنکہ لب زرخ یارو زلف اور برسبت

بدہن او ہمہ خاک جہاں سایہ ریخت

والثانی دوسرا فقرہ یعنی اشعار کا پڑھنا اگر ان میں مضامین حکمت اور وعظ اور ترغیب و ترہیب کا ہوتو ان کا پڑھنا مسنون ہے اور سننا بھی حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ اشعار کے مضامین اگر اچھے ہوں تو وہ بھی اچھے ہیں۔ اور اگر ان کے مضامین قبیح ہوں تو وہ بھی قبیح ہوتے ہیں الحدیث رواہ دار قطنی۔ اور خود حضور کا اشعار پڑھنا اور صحابہ سے سننا پہلے مذکور ہو چکا ہے بلکہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ آپ امیہ بن صلب کے اشعار سننے میں ایسے محظوظ ہوتے تھے کہ جب ایک شعر سنتے تو فرماتے اور کہو۔ پھر جب دوسرا سنتے تو فرماتے اور کہو حتی کہ سو بیت آپ نے سنے اور آپ نے لبید کے اس بیت کی تحسین فرمائی۔

ان فضل اللہ غیم ھاطل

الا کل شیء ماخلا اللہ باطل

اس سے ثابت ہوا کہ اشعار کا پڑھنا اور سننا بطالت ہے نہ جہالت نہ ضلالت ہے۔ بلکہ اس کو بطالت اور جہالت اور ضلالت کہنا خود بطالت اور جہالت وضلالت ہے والثالث تیسرا فقرہ یعنی کسی چوب کو کسی چرمی چیز پر مار کر طقطقہ حاصل کرنا میں کہتا ہوں کہ یہ صورت دف یا اس کی مثال کی ہے۔ اور دف وغیرہ کا بجانا مواقع سرور میں مباح ہے جیسا کہ ابحاث سابقہ میں اس کی تفصیل گزری ہے اس کے بطالت و جہالت وضلالت ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی والرابع چوتھا فقرہ یعنی بعض لوگ اٹھ کر رقص اور وجد کر کر بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں۔ کیا یہ فعل جب خالص ہوتو نا جائز ہے۔ کلا و حاشا آپ نے شاید احیاء العلوم اور شامی وغیرہ کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے رقص اور وجد کے بارہ میں کیا لکھا ہے۔ اور عوارف المعارف میں اس کی کس قدر تحقیق کر کے ثابت کر دیا ہے کہ نہ رقص علی الاطلاق حرام ہے اور نہ سماع جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد

اقدس میں آپ کے سامنے یہ سب کچھ ہوا۔سماع کی تحقیق پہلے مذکور ہوئی اور رقص جو حبشیوں نے آپ کی مسجد میں کیا۔اور آپ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے کندھے سے ڈھانک کر دکھلاتے رہے کیا یہ رقص کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتے؟ وجد اور رقص فجار کے اشعار نہیں بلکہ اہلِ اسرار کے آثار ہیں۔کیونکہ ہر فعل پر کوئی نہ کوئی اثر مرتب ہوا کرتا ہے جس کے لیے اس فعل کا صدور ہوتا ہے اور سماع کا اثر مرتب یہی وجد ہے۔امام غزالی نے احیاء العلوم میں کہا ہے کہ وجد اثر اور ثمرہ سماع کا ہے جو کہ وہ وارد حق جدید ہے سماع کے بعد حاصل ہوتا ہے۔جس کو صاحب سماع اپنے جی میں محسوس کر لیتا ہے۔کبھی اس کو ہضم کر جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا کوئی اثر جوارح میں ظاہر نہیں ہوتا۔اس کا نام وجد الکملاء ہے۔اور کبھی ہضم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کے آثار جوارح میں ظاہر ہو جاتے ہیں مثلاً حرکات منیفہ اور اضطرابات غیر عادیہ اس کا نام وجد العرفاء ہے۔ اور ان حرکات کا نام رقص ہے۔پس جس شخص نے سماع کیا اور وجد نہ کیا۔اس کی مثال گدھا کی ہے جو کتابیں پیٹھ پر اٹھاتا ہے۔اور اس وجد کا منکر سوائے کالانعام بل ہم اضل سبیل کے سوا کوئی بھی نہیں کیونکہ حیوان بھی کبھی سماع سے خوش ہو کر وجد اور رقص میں آجاتا ہے۔جیسا کہ اونٹ جو کہ حدی کے آواز سے وجد اور رقص کرتا ہے۔یہاں تک کہ بھاری بوجھ کو برداشت کر کے ٹھنڈی رات کی مسافت طویلہ قطع کر جاتا ہے۔یہ تو حیوانات کا حال ہے۔اور انسان کا حال یہ ہے کہ اس نے مدت میں مشاہدہ محبوب کو مکاشفہ مرغب میں واصل ہو جاتا ہے اور بہت سے اولیاء اللہ نے اس حالت میں وصال حقیقی حاصل کر لیا ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلس میں جن وانس و اطیور سب جانور جمع ہو کر لحن داؤدی سنتے تھے اور محظوظ ہوتے تھے۔حتیٰ کہ چار سو جنازہ ان کی مجلس سے اٹھایا جاتا تھا انتہیٰ۔ ناظرین کو اس امر کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ایسے وجد کو بطالت،ضلالت یا جہالت کہنا کس قدر نامناسب ہے۔

والخامس پانچواں فقرہ جس کا حاصل یہ ہے کہ طعام حاضر کر کے کھاتے ہیں۔حالانکہ قری الضعیف سنت مؤکدہ متوارثہ سے ثابت ہے۔جیسا کہ صحیح احادیث میں موجود ہے۔اس کو بطالت

وضلالت و جہالت قرار دینا انصاف سے کوسوں دور ہے۔ **السادس** چھٹا فقرہ جس کا مطلب یہ ہے کہ بادسنا ایسی مجالس کو مساجد میں نہ ہونے دے حالانکہ خداوند تعالیٰ کا خاص ارشاد ہے **و من اظلم ممن منع مساجداللہ ان یذکر فیھا اسمہ و سعی فی خوابھا اولئک ما کان لھم ان یدکوھا الا خائفین۔**

السابع ساتواں فقرہ یعنی مومن کو اس مجلس میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ حالانکہ حدیث شریف میں ایسی مجالس کے بارہ میں ارشاد ہے **ھم قوم لا یشقی جلیسھم** تو جس نے اس کی شمولیت کا حصہ لیا اس کو ثواب اور اجر بہرہ ور اور جو محروم ہوا وہ محروم ہوا۔ **الثامن** اور آخری فقرہ جس کو نقل کرتے وقت فاضل معاصر بڑے خوشی کے نعرے لگاتے ہوں گے جس کا حاصل یہ ہے کہ حرمت سماع، وجد و رقص امام مالک و امام ابوحنیفہ و احمد بن حنبل کا مذہب ہے حالانکہ اس کی تردید سابق سوال کے جواب میں باتفصیل گزری اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

والجواب الصحیح لھذا السوال یہ ہے کہ یہ مجلس مجالس الخیر سے ہے۔ اور اس میں شامل ہونا موجب نزول رحمت و برکت ہے۔ ایسی مجلس میں حاضر ہوکر بزرگانِ دین سے فیوض حاصل کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے اور باعث اجر و مغفرت ہے **قال النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **المجلس الصالح یکفر عن المؤمن الفی الف خطیئۃ من مجالس السو کذافی الاحیاء** پس جس کا جی چاہے حاضر ہوکر ثواب حاصل کرے۔ اور جس کا جی نہ چاہے تو گھر میں بیٹھ کر اس فیض سے محروم رہے۔ مگر بہرحال اولیاء اللہ کے احوال پر اعتراض اور انکار نہ کرے۔ ورنہ غضب الٰہی کا مستحق ہوجائے گا۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر انکس دم زند ریشش سبوزد

تکملہ

فاضل معاصر نے اپنے زعم میں اس حرمت سماع علی الاطلاق کو ہر چہار مذہب کے ائمہ کی طرف نسبت کر کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ائمہ اربعہ اہلِ مذاہب کے افعال واقوال کی تشریح پہلے مذکور ہوئی۔ اب ان کے محقق مقلدین کے اقوال بھی ذرا سن لیجئے۔ جس سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ دعویٰ بالکل غلط ہونے کی وجہ سے نا قابلِ سماع ہے۔

با تو از ہر طرفے صد سخن آرم بیاں

ہر جوابیکہ دہی باز در ایم بسوال

مدارج النبوت میں ہے کہ داؤد طائی فقیہ حنفی شاگرد امام اعظم صاحب جو نہایت جلیل القدر امام تھے۔ اور بوجہ کبر سن کے کوز پشت ہو گئے تھے۔ جب سماع سنا کرتے تو ان کی پیٹھ سیدھی ہو جاتی تھی۔ اور فقیہ ناصر الدین ابوبکر اسکندری اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر سماع شرائط کے ساتھ اپنے محل میں اسکے اہل سے سنا جائے تو درست ہے اور یہی مختار ہے۔ حنابلہ میں سے ابوبکر صاحب جامع اور ان کے شاگرد عبدالعزیز کا اور صاحب مستوعب نے اس کو ان کی جماعت سے نقل کیا ہے۔ اور صالح وعبد اللہ پسران امام احمد سے بھی سماع کا سننا سابقاً منقول ہوا۔ اور ظاہر یہ سے حافظ ابوالفضل مقدسی وغیرہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ اور محمد بن حزم نے بھی اپنے مصنفات میں اس کو ذکر کیا ہے۔ بلکہ اس نے اس بارہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ نیز ابنِ طاہر نے بھی ایک رسالہ اباحت سماع میں تصنیف کیا۔ جس میں صحابہ وتابعین کا اجماع اباحت سماع پر ثابت کیا۔ اور اسانید موثوقہ سے موثق کیا۔ اور شیخ تاج الدین عبدالرحمن فرادی و مفتی دمشق اور ابنِ قتیبہ نے اباحت سماع پر اجماع اہلِ حرمین کا نقل کیا ہے۔ اور ابنِ طاہر نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔ کہ جب اہلِ مدینہ کا کسی امر پر اجماع ہو۔ تو اس کو سنت جاننا چاہیے اور ابویعلی حنبلی نے روایت کیا ہے کہ یوسف بن ماحشون اور اس کا بھائی سماع کی رخصت دیتے تھے۔

اورامام یحییٰ بن معین نے جو کہ اعاظم ائمہ حدیث سے تھے ذکر کیا ہے کہ یوسف بن ماجشون کی مجلس میں حاضر ہوئے ہمیں حدیث سناتے تھے اور دوسرے مکان میں اس کی لونڈیاں مزامیر بجارہی تھیں۔اورعبدالعزیز بن ماجشون جو کہ اہلِ مدینہ کے مفتی تھے۔صحیحین وغیرہ میں اس کی روایات احادیث بکثرت ہیں وہ بھی عود کے سننے میں رخصت دیتے تھے۔اور درالمختار شامی، عالمگیری ،ہدایہ، فتح القدیر مبسوط وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے چونکہ فقہاء حنفیہ کے اقوال سابقاً بہت مذکور ہو چکے ہیں۔لہذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

یا رب چہ نغمہ کزربا بیکہ خون خصم
بانعرہ ہائے قلقش اندر گلوبہ بست

قال یہ عبارات قطعاً دلالت کرتے ہیں احادیث حرمت ملاہی کے جمہور علماء کے نزدیک علی التواتر معمول بہا ہونے پر

اقول

بہ تیشہ کس نخر اشد زروئے خاراگل
چنانکہ بانگ درشتِ تو میخر اشد دل

علمائے کرام ہر چہار مذہب خواہ مجتہدین ہوں یا مقلدین کے افعال واقوال بالتفصیل مذکور ہوئے۔افسوس کہ فاضل معاصر کی ہمدردی کسی سے بھی نہ ہوئی۔اور نہ ہی احادیث نے اس کا ساتھ دیا۔اور نہ ہی صحابہ کبار واتباع ابرار نے اس بے چارہ کی حال پرسی کی

بروز تنگدستی آشنا بیگانہ میگردد
صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ میگردد

نہایت تعجب ہے کہ کس شیوہ سے اس حرمت سماع علی الاطلاق کو علی التواتر معمول بہا ہونے کا دعویٰ وناز کرتے ہیں۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ ٔ ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

قال لہذا یہ احادیث بسبب اس عمل تواتر جمہور کے قطعی ہوگا۔

اقول دونوں طرف تواتر عملی ہے۔ سماع مذموم کی حرمت اور سماع محمود کی اباحت پر لیکن جناب کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ جبکہ وہ اباحت کے قائل ہی نہیں۔ قال اسی وجہ سے اکثر عبارات میں حکم حرمت کا کیا گیا۔ اور بعض میں جو حکم کراہت کا کیا گیا سو بوجہ فرق کرنے کے ہے تواتر عملی اور تواتر نقلی ہیں کہ ثانی موجب قطعیت اور اولیٰ نہیں بلکہ قریب اس کے اقول

غریبی گرت ماست پیش آورد
دو پیمانہ آب است ویک چمچہ دوغ

جناب کی تاویل ایسی ہے جیسے کوئی اپنے کان کو سر کے اوپر الٹا کر ہاتھ لگا تا ہے حرمت اور کراہت والی روایات کی تاویل تو ہوئی۔ لیکن جن روایات میں اباحت صریحہ واقعہ ہو اس کو کس کونہ میں رکھا گیا صحیح تاویل یہ ہے جس سے تمام روایات کی تطبیق آجائے کہ با اعتبار اختلاف احوال سماع کے احکام بھی متفرق ہوئے یعنی سماع اگر عوارض ذمیمہ سے خالی ہے تو مباح اور اگر عوارض مذمومہ خفیفہ سے ملحق ہے تو مکروہ اور اگر عوارض غلیظہ آگئے تو حرام **لان التطبیق اولیٰ من التلفیق و الوفاق اولیٰ من النفاق**

قال بہر حال مرتکب آلات ملاہی فاسق و آثم ضرور ہوگا۔

اقول یہی الفاظ ہیں جو جناب کو موردِ عتاب و مستحق عقاب بنا رہے ہیں۔ مولانا سعدی فرماتے ہیں

چو آہنگ بربط شود مستقیم
کے از دست مطرب خورد گوشمال

آلات ملاہی سے جناب کی کیا مراد ہے۔ اگر تمام انواع مراد ہیں جیسا کہ جناب کا دعویٰ

ہے خواہ کسی غرض صالح سے استعمال کیے جائیں یا فاسد سے تو یہ سفید کذب وافترا ہے۔ کیونکہ بعض آلات کو بعض اغراض صالحہ کی وجہ سے تو خود جناب شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سنا۔ اور صحابہ کرام وتابعین عظام کے معمول بہا رہے جیسا کہ ابحاث سابقہ میں اس کی تحقیق گذری ہے۔ تو یہ بزرگانِ دین وہادیان اسلام (خاک بدہن دشمن) فاسق ٹھہرے **نعوذ باللہ من ھذہ العقیدۃ الفاسدۃ** اور اگر بعض آلات مراد ہیں تو جناب کا مطلب کافور ہوگیا۔ بلکہ ہمارا مدعا ثابت ہوگیا۔ کیونکہ جو آلات بغرض فاسد استعمال کیے جائیں ان کو کب حلال کہتا ہے۔

مجال سخن تا نہ بینی زپیش
بہ بیہودہ گفتن مبر قدر خویش

قال اور یہی حال ہے مجرد غناء بمعنی راگ کا بھی کہ اس کے باب میں بھی اس قسم کی عبارات کثرت سے صادر ہوئی ہیں

اقول

چو کردی باکلوخ انداز پیکار
سر خورد رابنا دانی شکستی

جیسا کہ آلات میں تفصیل گزری ہے راگ میں بھی وہی تفصیل ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔ جناب کو کلیات نے تباہ کر دیا ہے۔ کیونکہ آپ کی عادت ہے کہ جس مضمون کو ذکر کرتے ہیں خواہ ایجابی ہو یا سلبی تو کلیت کی صورت میں ذکر کرتے ہیں جس سے دھوکہ کھا بیٹھتے ہیں۔

تکمیل

ہمیں باب تعزیرات کے کھولنے کی کوئی غرض نہ تھی۔ اور نہ ہی حکم فسق کا کفر کا کسی پر جاری کرنے کی ضرورت۔ مگر چونکہ فاضل معاصر نے اپنے مآل کا حال دیکھ کر پیش دستی کر لی ہے۔ لہذا ہم بھی اس کے جواب ترکی بہ ترکی دینے پر توکل کرتے ہیں۔ فاضل معاصر نے اس رسالہ خیرا لنواہی میں مرتکب سماع کو فاسق و آثم قرار دیا ہے۔ اور دوسرے رسالہ **الاغنا بتحریم الغناء** کے اخیر صفحہ پر لکھا ہے۔ کہ جو شخص نسبت سماع غناء کی رسول اللہ ﷺ کی طرف کرے گا واجب التعزیز ضرور ہوگا۔ کیونکہ اس نے غناء سے معنیٰ راگ ارادہ کیا یا دوسرے معنیٰ۔ تقدیرِ اول پر کفر اُس پر لازم آئے گا۔ اگر محل تاویل میں نہ واقع ہو۔ اور تقدیر ثانی پر ابہام کفر سے چارہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس زمانہ فسق میں متبادر غناء سے راگ ہوتا ہے۔ بہرحال وہ شخص واجب التعزیر ضرور ہوگا انتہی ص ١٦

اقول یہ فاضل معاصر کی کمال دور اندیشی ہے۔ کیونکہ جس دعوے کے وہ مرتکب ہوئے ہیں۔ وہ خود کفر تک رسائی رکھتا ہے۔ آپ کو معلوم تھا کہ کوئی اہلِ حق ضرور اس میں اٹھ کر احقاقِ حق ادا کر دے گا۔ مگر اس بے چارہ نے یہ بھی سوچا کہ جب احقاق حق ہو گیا تو کفر یا فسق اور وجوب التعزیر کا کون مستحق رہے گا۔ شاید یہ آپ کے کبرِ سنی کے مقتضیات ہیں۔ ورنہ یہ ضرور نہیں کہ جس مسئلہ کی تحقیق کی جائے اس کے مخالف کو کفر یا فسق سے منسوب کیا جائے۔ اب ہم اصل مدعا کو چھیڑتے ہیں۔ وجیز الصراط میں ہے جس کا ترجمہ و ملخص یہ ہے۔ حجتہ الاسلام امام محمد غزالی نے اپنے رسالہ **بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع** میں لکھا ہے کہ غناء اور دف کے سماع کے انکار کرنے سے سنت کی مخالفت ہے۔ اور سنت کی مخالفت اگر بوجہ حرام جاننے اس کے ہو تو کفر ہے۔ اور اگر اعراج کی نیت سے ہو تو فسق ہے اور مسلم و بخاری میں ربیع بنتِ معوذ بن عفراء سے مروی ہے کہ ایک دن سرورِ عالم ﷺ میرے گھر تشریف لا کر میرے بستر پر بیٹھ گئے اور میرے

پاس دولڑکیاں تھیں جو دف بجاتی اور شہداء بدر کے محاسن گاتی تھیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے میں نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس بات کو چھوڑ دو اور جو پہلے گاتی تھیں وہی گایئے۔ اس حدیث نے اس امر پر دلالت کردی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دف اور غناء اور اشعار کو لونڈیوں سے سنا سوائے حاجت کے۔ تو مردوں سے ان کا سننا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لونڈیوں کو محاسن شہداء کے گانے کا حکم فرمایا تو یہ صیغہ امر میں یعنی قولی تھا۔ اور امر کبھی وجوب اور کبھی ندب اور کبھی اباحت کے لیے ہوتا ہے۔ ان کا امتیاز قرائن سے ہوتا ہے۔ اب یہاں جو صیغہ امر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بھی احتمال وجوب کا رکھتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لونڈیوں کو بالمشافہ حکم فرمایا۔ اور آپ کان دھر کر اس کے سننے کے شائق تھے ایسے امر کی مخالفت ہرگز ناجائز ہے۔ جب حضور کسی سے کوئی چیز طلب فرمائیں اور اسکے جواب کے انتظار میں رہیں تو اسکا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **یاالھا الذین امنوا استجیبوا اللہ و اللرسول اذا دعاکم لما یحییکم** اور بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے گھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے اور میرے پاس دو لونڈیاں واقعات بعاث کے گیت گاتیں اور دف بجاتی تھیں۔ حضرت صدیق نے ان کو روکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو وہیں منہ مبارک پر کپڑا اوڑھے ہوئے تھے اس کو کپڑے کو اتار کر فرمایا کہ ان کو چھوڑ وا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ دن عید کا ہے۔ اس حدیث کی صراحت نے اس امر کو ثابت کر دیا۔ کہ غناء اور دف کا سننا اور اس کے انکار کرنے والے کو رد کرنا یہ تمام جائز ہیں **قال اللہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ** پس جس شخص نے سماع غناء و دف کو حرام کہا تو گویا اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام کو سنا۔ اور حرام کے منع کرنے والے کو روکا۔ ایسا اعتقاد بد بنیاد بالاتفاق کفر ہے۔

سوال:

اگر کہا جائے کہ یہ سماع صرف عید کے دن جائز ہے۔ سوا اس کے ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ

آپ نے عید کے ساتھ مقید فرمایا۔

جواب:

یہ ہے کہ قاعدہ اصول کا ہے خصوص سبب کا عموم حکم کو روک نہیں سکتا۔ اور حبشیوں کا گانا اور دف بجانا اور کودنا مسجد نبوی میں صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کندھے سے ڈھانک کر دکھانا یہ سب کچھ ثابت ہے۔ اب جو شخص سماع یا رقص کو ناجائز کہے۔ تو گویا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرتکب حرام ٹھہرایا۔ **نعوذ باللہ من ذالک** اور جس کا یہ اعتقاد ہو وہ بلاشبہ کافر ہے۔

سوال:

اگر منکر اعتراض کرے کہ یہ سماع حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ مخصوص ہے دوسروں کے واسطے جائز نہیں۔

جواب:

کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شارع ہیں۔ اور شارع کے لیے کسی امر شرعی کا اخفاء جائز نہیں **قال اللہ تعالیٰ ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات و الھدی من بعد مابیناہ للناس فی الکتٰب اولئک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللّٰعنون ۰** (سورۃ بقرہ) **و قال تعالیٰ و اذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتو الکتٰب لتبیننہ و لا تکتمونہ الاٰیۃ ۰** (سورۃ العمران) اب اگر رقص و حضور سماع و دف کا بجانا حرام ہوتا۔ تو آپ پر اس آیت کے مقتضاء سے واجب تھا کہ اس کو بیان فرمادیتے۔ کہ یہ صرف ہمارے لیے ہے۔ دوسروں کے لیے نہیں ہے۔ جیسا کہ صوم وصال سے آپ نے لوگوں کو منع فرمایا۔ اور خود بذاتِ اقدس اس کے مرتکب رہے الاخصوصیت بیان فرمادی۔ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ اطہر مجلس رقص و سماع غناء و دف میں شامل رہے۔ اور کسی کو اس سے منع بھی نہ فرمایا۔ تو جواز علی الاطلاق عمدہ ترین طریق سے ثابت ہو گیا۔

سوال:

اگر منکر کہے کہ رقص لعب ہے۔ اور لعب حرام ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لا الدو د منی و لا انا من الدو د اور ددو لعب کو کہتے ہیں۔

جواب:

اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث لعبِ حرام کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ نرد و قمار وغیرہ کیونکہ بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ میرے گھر کے دروازہ پر تشریف فرماتے تھے اور حبشی تیروں کے ساتھ مسجدِ نبوی میں کھیل کود رہے تھے اور میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی جب مسجد نبوی میں حضورِ کریم ﷺ کے سامنے کھیل کود جائز ہوئی تو اس کے سوا دوسری جگہ بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔ اور جس نے کہا کہ لعب مطلقاً حرام ہے۔ تو اس نے گویا حضورِ کرم ﷺ کے حرام پر حاضر ہونے کا اعتراف کیا۔ اور جس کا یہ اعتقاد ہو وہ بالا تفاق کافر ہے۔ دربارِ نبوت ﷺ میں ایک عورت انصاریہ حاضر ہو کر عرض کرتی ہے کہ میں نے نذر مانی تھی کہ حضور ﷺ کے روبرو دف بجاؤں گی۔ دربار عالیہ سے ارشاد ہوتا ہے کہ اپنی نذر کو پورا کر یعنی ہمارے سامنے دف بجا۔ وہ عورت حضور ﷺ کے سامنے دف بجا کر یہ شعر گاتی ہے۔

طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع
واجب الشکر علینا مادعی ا للہ الداعی

یہ گانا بجانا حضور ﷺ کے سامنے آپ کے ارشاد سے ہوا۔ اور آپ نے اس کو بذاتِ اقدس سنا۔ اب جو شخص سماع غناء و دف و رقص کو حرام کہے تو اس نے حضور کریم ﷺ کو مرتکب حرام جانا، جس کا یہ عقیدہ ہے وہ بالا تفاق کافر ہے۔ جس شخص نے سماع کو مطلقا حرام کہا۔ تو اس نے شرع میں جس چیز کی نص وارد نہ تھی اس کو حرام کہا۔ کیونکہ نہ کتاب اللہ میں اس کی حرمت وارد ہے اور نہ حدیث شریف میں۔ اور جو چیز شریعت میں حرام نہ ہو اس کو حرام کہنا افتراء علی اللہ ہے اور بالا جماع کفر ہے اور نیز عوام کا سماع اور رقص حبشیوں کے رقص کے مشابہ ہے۔ جو حضورِ کریم ﷺ

کے سامنے ہوا تھا۔جس کی اباحت میں کوئی خلاف نہیں۔اور نہ ہی عوام کے رقص وسماع میں خلاف ہے۔ بلکہ ان کے حرکات وسکنات و بوقت سماع ان کی حرکات کے مشابہ ہوں گے جو بساطین اور باغوں میں ہوا کرتے ہیں۔جن کی اباحت میں کوئی شک نہیں ویسے یہ بھی۔اور حدیث شریف میں آیا ہے **من تشبه بقوم فهو منهم** اور صاحبان حق مثل بعض صحابہ واولیاء اللہ مثل جنید رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ نے سماع میں حرکات کیں جیسا کہ ان سے منقول ہے اب اگر عامی سماع میں ان کی مشابہت کے لئے حرکت کرے اور ان کی برکت حاصل کرنے کے واسطے تو یہ بھی انہیں سے ہوگا۔حدیث شریف میں آیا ہے۔ **هؤ لاء القوم لا يشقى جليسهم** نیز جو شخص رقص وسماع غناء ودف کا منکر ہو وہ اللہ تعالیٰ کا محارب ہے۔یعنی خدا تعالیٰ سے لڑنے والا ہے۔اور اللہ تعالیٰ سے محاربہ کرنا بالاتفاق کفر ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے **من عادى لى وليّا فقد بارزنى فى المحاربة** اور اولیاء اللہ کا ہونا امتِ محمدیہ میں یقینی ہے۔اس میں کسی کو انکار نہیں اور تمام روئے زمین کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنید بغدادی وشبلی ومعروف کرخی وعبداللہ بن شفیق وغیرہ اولیاء اللہ ہیں۔اور ان کا سماع میں رقص و وجد منقول ومعروف ہے پس جس نے سماع ورقص کو علی الاطلاق حرام کہہ دیا یا تو گویا اس نے ان اولیاء اللہ کو مرتکب حرام ٹھہرایا۔اور جو شخص اولیاء اللہ کو مرتکب حرام کہے تو اس نے ان سے عداوت کی۔اور جس نے اولیاء اللہ سے عداوت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محاربہ کیا۔اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محاربہ کیا۔وہ بلا تفاق کافر ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق۔ان تقاریر اور دلائل اور احادیث سے ثابت ہوا کہ کہ سماع مطلقاً مباح ہے۔اور اس کا منکر یا تو کافر ہے یا فاسق۔اور یہ سماع مریدین کے حق میں تاکیدی مستحب ہے۔اور اولیاء اللہ کے لیے واجب **بالنسبة الى مقاماتهم**۔کیونکہ یہ لوگ ماسوئے اللہ سے اعراض کرنیوالے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ان کے حق میں سے **يريدون وجهه** انتھی ترجمہ کلام الغزالی وخیر الصراط۔لیجئے فاضل معاصر نے تحریم سماع علی الاخلاق میں نہایت جانفشانی وسرتوڑ کوشش کی اور پھر محللین پر حکم کفر یا فسق جاری کر کے وجوب التعزیر کی بھی ڈگری دے

دی۔لیکن امام غزالی نے انہیں کے کفر کو مع اضعاف مضاعفہ کے مثل تیغ ہندو برگردن ہندو انہیں کے سر پر رکھ دیا۔افسوس اس کج فہمی نے آپ کو دھوکہ دیا ہے۔

وہ چہ فرخندہ شبے باشد وخرم روزے

کہ بفہم تو در آید کہ سماع است حلال

قال و فی الذخیرۃ ان التغنی مع جمیع انواعہ حرام عندنا

اقول اولاً شیخ عبدالحق دہلوی نے مدارج النبوت میں کہا ہے کہ صاحب ذخیرہ از حنفیہ نقل کردہ است از بعض حنفیہ کہ لا باس بہ فی الاعراس وبعضے گفتہ لا باس بہ دراعیاد وسائرِاوقات سرور مباحہ واختیار کردہ است آن راازعلماء متقین شیخ الاسلام ابومحمد بن عبدالسلام وصاحب وے شیخ محمد بن دقیق العید انتہی ۔اب ان دونوں عبارتوں میں تطبیق اسطرح ہے کہ تغنی سے وہی مراد ہے جو شرعاً مذموم ہے جو وہ بتمام انواعہ حرام ہے نہ مطلق ثانیاً اگر اس عبارت کو اپنے عموم پر رکھ کر جمیع انواع غناء حرام سمجھے جائیں تو یہ بالکل کذب ہے۔کیونکہ بعض انواع غناء کو تو ہادیان اسنام نے بھی سنا اس کو حرام کہنا چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق بننا ہے اب ہم کہتے ہیں کہ **بعض الغناء سمعہ النبی** ﷺ **و اصحابہ و ائمۃ المسلمین فکلما سمعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ و ائمۃ المسلمین فھو حلال طیب ینتج ان بعض الغناء حلال طیب اما الصغری فلما مر تحقیقہ بالا حادیث الصحیحۃ و الا قاویل ا الصریحۃو اما الکبری فلھدایۃ الاسلام فثبت من ھذا البرھان البین الانتا ج ان القول بحرمۃ جمع انوا ع الغناء کذب و لغو، الا ان یفرق بین التغنی و الغناء فان الاول فعل و الثانی انفعال و تعمیم الاول لا یستلزم تعمیم الثانی کما لا یخفی علیٰ من دق النظر فالحاصل ان ھذہ العبادۃ بسیاقھا لا یفید المجیب و اللہ اعلم۔**

قال و ایضا فی فتاوی النسائی استماع صوت الملاھی و الغناء حرام

اقول قد مر تفصیل الملاھی و الغنا غیر مرۃ فلا نعیدہ

قال و ایضاَ فیه و قول محمد اللعب و الغنا ء دلیل علی ان التحریم لا یختص بالمزامیر لان الضرب بالقصب و التغنی معه حرام لان ذالک لھو

اقول اس عبارت کا مفاد بھی حرمت غناء ومزامیر جو بغرض لہو ولعب کے ہوں ہے۔ نہ علی الاطلاق جیسا کہ فاضل معاصر نے سمجھا **قال و اللھو کله حرام الا ثلثة ملاعبة الرجل مع اھله او تادیبه بفرسه او مناصلته بقوسه و ھذا نقل من فتاویٰ العتابی اقول** حدیث شریف میں بطال مقام حرام کے ہے۔اس سے حرمت سماع کی ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ باطل کا معنی بے سود ہے ۔والا جمیع ملاعبات مسوائے ہرسہ مذکورہ کے حرام ہوں۔مثلاً حیوانات وطیور ومیوہ جات کے ساتھ بھی کھیلنا حرام ہو۔حالانکہ انکی ملاعبت کی حرمت کا کوئی قائل نہیں ہے جیسا کہ کتب فقہ میں موجود ہے۔اور حدیث شریف میں ہے کہ انس بن مالک کا چھوٹا بھائی بلبلوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ ایک دن آپ نے اس کو فرمایا **یا ان عمیر ما فعل النعیر** علاوہ یہ کہ اگر غنا بغرض لہو ہو۔تو اس کی حرمت میں ہمارا بھی اتفاق ہے۔

قال و ایضا فیه و فی المضمرات و فی المنافع اعلم انّ التغنی حرام فی جمیع الا دیان

اقول ادیان سے فاضل مجیب نے کیا سمجھا۔اگر جمیع ادیان سالفہ وموجودہ مراد ہیں جن میں امم سابقہ بھی داخل ہیں تو یہ صریح خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ ادیان سابقہ میں اس کی حرمت کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ بلکہ بعض پیغمبروں کا یہی معجزہ تھا۔اور اگر اسی امت مرحومہ کے ادیان مراد ہیں۔عام ازیں کہ امت اجابت ہو یا دعوت تاہم صحیح نہیں کیونکہ بعض افراد امت اجابت میں یہ عبادت ہے۔ اور اگر صرف امت اجابت کے افراد مراد ہیں۔تو چونکہ بعض غناء کو جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسلف صالحین نے سنا ہے۔لہذا پھر بھی صاف سچ نہیں ہے۔ پھر حال جناب اس عبارت کا سیاق وسباق دیکھ کر خوب سوچ کر جواب دیں۔اگر جناب راستی پر چلتے اور سنگین دعوے نہ کر بیٹھتے تو اس معمہ میں نہ پھنستے۔

راستی موجب رضائے خدااست

کس ندیدم کہ گم شد ازرہِ راست

قال و ایضا فیه الضرب فی القضیب و التغنی حرام لا نه لهو و لعب

اقول ہاں جب بغرض لہوولعب ہو۔

قال و فی مدخل ابن الحاج قد سئل مالک عمار خص فیه اهل المدینة من الغناء فقال انما یفعله عندنا الفساق و نهیٰ عن الغناء و استماعه اقول ہاں بشرطیکہ بغرض لہو ولعب ہو۔ والالا۔ کیونکہ خود امام مالک سے منقول ہے **السماع لا ینکره الا الجاهل کما مر و هذا سماع حق لا یناسب انکاره۔**

قال و اما ابو حنیفه فانه یکره الغناء و یجعله من الذنوب و کل ذالک مذهب اهل الکوفة سفیان و حماد و ابراهیم و الشعبی لا اختلاف بینهم فی ذالک و لا نعلم ایضاً من اهل البصرة خلافا فی کراهته ذالک و المنع منه

اقول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سماع کے بارہ میں قول وفعل پہلے مذکور ہوا۔ اور باقی علماء کے اقاویل کے معانی بھی پہلے مذکور ہوئے۔ یعنی جو سماع مقترن بفحش ومنکرات ہو۔ وہی کراہت یا ممانعت کا مستحق ہوگا۔

قال و اما الشافعی فقال فی کتاب القضاء الغناء لهو مکروه یشبه الباطل

اقول اس عبارت کی تاویل پہلے مذکور ہوئی۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔

قال و فی الدر المنتقی شرح الملتقی فی البحر و امذهت حرمته مطلقا فانقطع الاختلاف

اقول بلکہ مذہب تفصیل ہے جیسا کہ شیخین کے قول وفعل سے ثابت ہے۔

قال بل ظاهر الهدایة انه کبیرة و لو لنفسه و هو قول شیخ الاسلام و کذالسامعه و حاضره انتهی ملخصاً اقول ذرا شروح ہدایہ مثلاً فتح القدیر، کفایہ، عنایہ، نہایہ، بنایہ اور در

المختار رد المختار طحطاوی اور بحر الرائق نہر الفائق وغیرہ اور فتاویٰ عالمگیریہ قاضی خان والولجیة وغیرہ کتب فقہ کو تو دیکھو وہ تو بوقت تنہائی دفع وحشت کے لیے جائز بلا کراہت لکھتے ہیں۔

بلکہ شمس الائمہ سرخسی کا تو یہی مشرب ہے۔

قال و فی النہایة التغنی و التصفیق و الطنبور و البربط و الدف و ما اشبہ ذالک حرام و معصیبته۔

اقول اس عبارت نے تو دف کو جناب کے نزدیک رخصت اور مباح تھی حرام کر دیا۔تو اپنی مخلصی کے واسطے جناب بھی کوئی صورت سوچیں گے۔ جو ہمیں بھی غالباً مفید ہوگی۔**فما ہو جو ابکم فہو جوابنا و باللہ التوفیق**

تا ندانی کہ سخن عین صوابست مگو
آنچہ دانی کہ نہ نیکوش جوابست مگو

قال خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت وحدیث اور مذہب جمہور علماء متوافق ہیں تحریم غنا و معازف ہیں۔

اقول ع دروغے را کجا باشد فروغے۔جعلی مقدمات سے اپنا مدعا ثابت کرنا جناب ہی کا کام ہے۔ ذرا نیاز مند تھوڑے اس عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔کہ جناب کے مشرب میں سماع تو علی الطلاق حرام ہے کیا جھوٹ حلال ہے۔

ریا حلال شمار ند و جام بادہ حرام
زہے طریقت ملت زہی مذاہب کیش

آیت اور حدیث اور اقوال فقہا تو غنا اور معازف کو علی الاطلاق حرام نہیں کہتے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔نا معلوم جناب نے ان سے کیا معنی سمجھے جس پر وہ ناز کرتے ہیں۔

قال فرق آیت اور حدیث میں اس قدر ہے کہ آیت محرم غنا صراحتہً ہے۔اور محرم معازف دلالتہً۔اور حدیث برعکس اس کے محرم ہے۔

اقول سبحان اللہ ماشاء اللہ اب فاضل مجیب اپنی علمیت کے کرشمے دکھانے پر اترے ہیں۔ جناب نے صراحت کو دلالت کا مقابل بنا کر اپنے مدعا کا اثبات کر دیا لیکن یہ بھی نہ سوچا کہ صراحت اور دلالت کا آپس میں تقابل کیسا ہے۔ اگر بجائے صراحت کے عبارت کہ دیتے تو البتہ اس خدشہ سے بچ جاتے اچھا جو کچھ ہوا ہو۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ جناب بھی اصول کے ماہرین سے ہیں **اللھم الا ان یراد من الصراحۃ والدلالۃ معناھما اللغوی لا العرفی** اس صورت میں البتہ اعتراض سے تو بچ جائیں گے۔ مگر ان کے مدعا کے اثبات میں نقص آجائے گا۔ کیونکہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ ہر ایک لفظ اپنے مفہوم پر دلالت کرتا ہے عام ازیں کہ مطابقی ہو یا تضمنی یا التزامی نہ کسی مغار پر مثلاً جاء زید سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسکا گھوڑا بھی آیا ہو جہاں تک راکباً نہ کہا جاوے۔ تو جس عبارت کا مفاد حرمت غنا ہے وہ حرمت مزامیر پر کب دلالت کر سکتی ہے۔ اور جس کا معنی حرمت مزامیر ہے وہ حرمتِ غنا پر دلالت کرنے سے قاصر ہے۔

قال اور مذاہب واعمال کے جمہور کے مصرح دونوں کی حرمت کے اور سوید دونوں دلالتوں کے واقع ہوئے ہیں۔

اقول جس غنا اور مزامیر کو آیت حدیث و مذاہب واعمال جمہور علماء حرام بتاتے تھیں۔ وہ جناب کا مدعا نہیں اور جو جناب کا مدعا ہے اس کو حرام نہیں بتاتے **فبینھما بعد المشرقین کما مر تفصیلہ فیما مر مرادا**

اس سادگی پر کون نہ مرجائے اے خدا

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار ہی نہیں

قال غرض کہ حرمت غناء ومعازف کی درجہ قطعیت کو پہنچی ہوئی ہے۔

اقول ہاں مگر نہ علی الاطلاق بلکہ وہ غناء اور معازف جو شرعاً مذموم ہیں۔

قال مگر قطعیت اس کی چونکہ نظری ہے بملاحظہ قواعد شرعیہ اور تواتر عملی کے ثابت ہوتی ہے بدیہی نہیں کہ مطابقہ اور بسبب تواتر نقلی کے ثابت ہو۔

اقول جو جناب کا مدعا ہے یعنی حرمت غناء و معازف علی الاطلاق قطعی کو بجائے خود ظنی بھی نہیں اور نہ اس کے ثبوت میں کوئی قوائد شرعیہ ناطق۔

قال لہذا منکر اس حرمت کا کافر نہ ہوگا۔

اقول

ہے وہ غرور حسن سے بیگانہ وفا
ہر چند اس کے پاس دل حق شناس ہے

قال البتہ فاسق اعلیٰ درجہ کا ہوگا

اقول

زخم بر زخم مت لگا اے شوخ
میں تری اس بدی سے در گذرا

اس حرمت اعلیٰ الاطلاق کا منکر نہ کافر ہے نہ فاسق۔ بلکہ اس حرمت کا قائل کافر ہے جیسا کہ امام غزالی نے اپنے رسالہ **بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع** میں خوب تحقیق سے تصریح فرمائی ہے۔ دیکھے خدا جس کا جی چاہے۔

قال اور جس نے کفر کا حکم دیا یا تو تہدیداً کیا یا احکام قطعیہ نظریہ و بدیہیہ میں فرق نہ کرنے کے سبب سے کیا۔

اقول جس نے کفر کا حکم دیا یا فسق کا دونوں اس غلطی میں یکساں ہیں۔

قال بہر حال حکم اس کا تحقیقی نہیں ہے کہ آثار اس کے اس پر مرتب ہوں **اقول** اچھا ہوا کہ جناب نے اپنے دلائل کو غیر تحقیقی یعنی جعلی قرار دیا ہے۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشت خاک ماہم برباد دادہ باشی

قال و مخالفت محللین کی کسی طرح مضر نہیں۔ کیونکہ مدار ان کی مخالفت کا امور عدیدہ پر ہے۔

جو کہ خارج از قواعد شرعیہ ہیں۔

اقول جب محرمین سے کوئی دلیل قوی حرمت سماع علی الاطلاق پر قائم نہ ہوسکی۔تو محللین کو دلائل کے قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی ۔ کیونکہ جس چیز کی حرمت ثابت نہ ہوتو حنفیہ کے نزدیک چونکہ اصل الاشیاء اباحت ہے۔لہذا اپنے اصل پر محمول ہوکر مباح ہوگا۔محللین کا مدار انہی دلائل پر ہے۔

قال اول یہ احادیث اور ارتکابات صحابہ وغیرہ سے حلت غنا کی ثابت کرتے ہیں۔اور اس پر اجماع کو منعقد کرتے ہیں ۔ حالانکہ غنا محاورہ عرب میں چند معنی میں مستعمل ہوتا ہے ۔ رفع صوت ۔نصب۔حداء راگ ۔اور مقامات استعمال لفظ غناء میں کوئی قرینہ ایسا نہیں کہ جس سے تعیین رابع کی ہو۔ بلکہ کثرت وقوع رفعِ صورت ونصب وحدا کا قرن اولیٰ میں فیما بین اہلِ اسلام کے مرجع ہوگا۔حمل غنا کو ماسوائے راگ پر کیونکہ شہرت معنی کی مرجح ہوتی ہے حمل لفظ کو اسی معنی پر جب تک کہ کوئی قرینہ صارفہ نہ قائم کیا جائے۔پس محللین کی حجج سے ثبوت حلت ماسوائے راگ کا ہوگا جو متنازعہ نہیں۔اور جو متنازعہ فیہ ہے۔وہ ہرگز ثابت نہیں۔

اقول سعدی کا فرمان ہے

یا سخن آرائے چو مردم بہوش
یا بنشیں ہمچو بہائم خموش

جناب من ۔آیت لہوالحدیث کی تفسیر میں جو بعض صحابہ سے قرنِ اول میں لفظ غنا کا صادر ہوتا ہے۔جس پر جناب بڑے زور سے ناز کر کر فنا ہوگئے ہیں اس کا معنی بھی راگ نہیں ہونا چاہیے ۔ بلکہ دوسرے معانی میں سے جو کہ مشہور ہیں کوئی معنی مراد ہو۔علیٰ ہذا القیاس بعض احادیث یا آثار رہیں سو شاید اس سے بھی مراد راگ نہ ہو۔ یا کلام فقہائے متقدمین جو غنا کی حرمت کے روایات میں آئی ہیں ان سے مراد بھی راگ نہ ہو۔ پھر تو فیصلہ ہوگیا۔کہ نہ کوئی نص راگ کی حرمت اور نہ اباحت پر۔تاہم جناب کو خسارہ کیونکہ ایسے وقت میں اصل اشیاء کو مدِ نظر رکھ کر اباحت ثابت ہو

جائے گی۔جس سے جناب کا مطلب کافورومدعا مفرور ہوجائے گا۔

کبوتر یکہ دگر آشیاں نخواہد دید

قضا ہمے بردش بسوئے دانۂ دوام

اگر جناب وہاں قرینہ صارفہ نکال لیں۔تو ہم بھی ان احادیث محللہ یا اجماع منعقدہ یا اقوال سلف یا اعمال قدماء میں کوئی نہ کوئی قرینہ صارفہ تلاش کر کے ہدیہ مزاج عالی کر دیں گے۔ نہایت تعجب ہے کہ جولفظ ادلہ محرمہ میں وارد ہو۔ وہ تو بمعنی راگ ہی ہے۔ وہاں قرینہ کی ضرورت ہی نہیں۔اور اگر وہی لفظ اولا محللہ میں آجائے تو راگ کے سواء کسی دوسرے معنیٰ پر محمول ہوجاتا ہے۔

ع ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

قال یہ کہ احادیث سے حلت دف کی ظاہر کر کے معازف کو اس پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ حلت دف کی رخصتہً مقام ضرورت میں بعض انہیں احادیث سے ثابت ہے۔

اقول ع سخن شناس نۂ دبرا خطا اینجاست۔جناب من! حلت معازف کو دف کی حلت پر اولا تو قیاس کرنے کی ضرورت کیا ہے جب یہ ثابت ہوگیا۔کہ جملہ معازف فی نفسہا مباح ہیں۔ان کی ذات میں نہ کوئی حرمت نہ قباحت۔الا بوجہ عوارض مذمومہ ملحقہ کے کبھی حرمت آجاتی ہے۔جیسا کہ مباحث سابقہ عوارض مذمومہ ملحقہ کے کبھی حرمت آجاتی ہے۔جیسا کہ مباحث سابقہ میں اس کی تفصیل گذری۔ثانیاً اگر قیاس کیا بھی جائے۔تو یہ قیاس صحیح ہے۔جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

قال اور امر ضروری مقدر بقدر ضرورت ہوا کرتا ہے۔

اقول،سوائے ان مزامیر کے جو مجالس فسق میں سجائے جائیں۔دیگر کل اپنی اباحت اصلیہ پر ہوں گے۔ان پر حرمت آئی ہی نہیں۔پھر ضرورت کیسی۔اور مقدر بقدر ضرورت کہاں کا؟

قال لہذا دف ہی کی حلت عموماً ثابت نہیں ہوتی۔چہ جاء اور معازف کی حلت

اقول دف کی حرمت کی کوئی بھی وجہ معلوم نہیں ہوتی عموم کیا اور خصوص کیا۔ہاں اگر مجلس

فساق میں بجائی جائے تو بعوارض ذمیمہ حرام ہو جائے گی۔ اس میں سب مزامیر داخل ہیں دف کی کوئی خصوصیت نہیں۔

قال اور برتقدیر دف کے عموم حلت کے بھی قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ مطرب کا قیاس غیر مطرب پر مع الفارق ہے۔

اقول اولاً آلات مطربہ کا قیاس عود پر مشہرہ کا قیاس دف پر جیسا کہ پہلے مذکور ہو ثانیاً مطرب وغیر مطرب کے فرق کا خیال وہ شخص کرتا ہے۔ جس کو حظ روحانی نہیں اور جس کو اس درد کا احساس ہے۔ اس کو اس بات سے کیا غرض

نہ یم داند آشفتہ خاطر نہ زیر

بہ آواز دولاب گرید فقیر

درخت سبزد اند قدر باراں

تو چوبی قدر باراں راچہ دانی

قال ثالث یہ کہ باوجود دعوے کثرت احادیث تحریم معازف کے تصنیف ہر حدیث کی کر کے کسی کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھتے۔ حالانکہ کثرت احادیث کا اتفاق کسی حکم پر دلالت کرتا ہے وجود اصل پر اس حکم کے۔ پھر یہ احادیث بھی واقع میں کل ضعیف نہیں بلکہ صحیح اور بعض حسن اور اکثر ضعیف ہیں۔ اور ضعیف بھی کل ایسی نہیں کہ جن کا تعدد طرق درجہ حسن کہ نہ پہنچا دے۔ علاوہ اس کے غیر صحیح کا سب قوت ہوتی ہیں صحیح سے۔ پھر جب ان سبھوں کی قبولی کے ساتھ ہر عصر میں تلقی جمہور علماء کی بطور تواتر متعلق ہوگئی۔ اور تعامل ان کا حسبِ مقتضیٰ ان کے علی التواتر ہو گیا۔ تو یہ احادیث سب کی سب درجہ قوت میں حد قطعیت کو پہنچ جائے گی۔ کیونکہ اس جگہ کوئی معارض قوی ایسا نہیں کہ جو مانع قطعیت کو پہنچ جاؤں گی۔ کیونکہ اس جگہ کوئی معارض قوی ایسا نہیں کہ جو مانع قطعیت ہو۔

اقول:

ہر کہ تامل نکند در جواب

بیشتر آید سخنش تا صواب

جنابِ من! احادیث کی تضعیف کی ضرورت تب پیش آئی۔ جب انکا محمل صحیح نظر نہ آتا۔ مگر چونکہ ہرایک حدیث کا محمل صحیح موجود ہے۔ جس سے محللین کے مدعا کی صریحاً تائید اور محرمین کے ادعاء کی تردید ہے۔ پھر تصنیف کی ضرورت کون سی۔ ہاں نقادفن نے جو جو موشگافیاں کی ہیں وہ کسی کے کہنے سے نہیں۔ بلکہ یہ ان کا اپنا فرض منصبی تھا۔ جس سے وہ سبکدوش ہوئے ہیں۔ اور خود جناب جو اکثر احادیث محرمہ کو ضعیف کہے جاتے ہیں۔ بتایئے اس میں ہمارا کیا قصور؟

قال رابع یہ کہ بعض اور بعض اکابر علماء سے اختیار بعض معازف کو اور حضور مجلس غناء مع المزمار کو نقل کر کے تقویت اپنے دعوے کی کرتے ہیں حال آنکہ اس قسمکے وقائع حالیہ بسبب تطرق احتمالات کے مقابل میں ان احادیث متلقی بالقبول کے تقویت ان سے کیسی قابل اعتبار بھی نہیں ہوتی۔

اقول صحابہ وتابعین و اکابر علماء دین وفقہاء مجتہدین کے عملدرامد اول دلیل اباحت سماع ہے۔ ان کے افعال بحیثیت مقتداء ہونے کے ہمارے اسوۂ حسنہ ہیں۔ احادیث کے معانی و موارد ان کو بخوبی معلوم ہونے کی وجہ سے ان کے افعال خلاف مامور بہ پر حمل نہیں کئے جاسکیں گے۔ **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** کا اسی طرف اشارہ ہے۔ علاوہ اس کے تطرق احتمالات تو احادیث قولیہ سے بھی رکتا۔ پھر کیا وہ بھی قابل عمل نہیں۔

قال علاوہ اس کے اگر نقل ان کی درجہ وثوق کو پہنچے تو مقابل میں ان احادیث کے شاذ ٹھہریں گے اور شاذ اقسام مردود کے ہے۔

اقول:

نہ بیند مدعی جز کویشتن را
کہ دارد پردۂ پندار در پیش

جناب تو خواب کی باتیں کر رہے ہیں۔ ذرا ہوش میں آ کر باتیں کریے۔ شاذ اس حدیث کا نام ہے جس کو فرد واحد برخلاف جماعت کثیرہ سے روایت کرے۔ یہاں تو جماعت کثیرہ صحابہ کرام، تابعین، ائمہ مجتہدین و اساتذہ محدیثن اس عمل میں شریک ہیں۔ بلکہ خود سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی شرف اشتراک بخشا۔ جو کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جن کی صحت کو خود جناب نے بھی تسلیم کرلیا ہے۔ اب بتائیے کہ شاذ کون ہوئے۔ ادلہ محللہ یا محرمہ اس میں مَیں کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر ذرہ بھر بھی انصاف اور حق پرستی ہے تو خود فیصلہ کرلیں۔

قال خامس یہ کہ اقوال محرمہ کے بعض کلمات کو ایسے معانی پر محمول کرتے ہیں جس سے سیاق وسباق ومحل وغیرہ ابا کرتا ہے۔

اقول

دکھاتا یوں وہ اپنی چال کے اطوار پھرتی ہیں
بہادر جنگ میں جیسے لیے تلوار پھرتے ہیں

جناب من! اگر اس چال میں کوئی قباحت ہے۔ تو اس میں جناب کا نمبر اول ہے۔ نظائر تو اس کے بہت ہیں۔ مگر بطور نمونہ صرف ایک تطیر ضیافت مزاج عالی کی جاتی ہے۔ غناء کا لفظ جب ادلہ محللین میں آئے تو اس کا معنیٰ راگ ہرگز نہیں۔ بلکہ حدا یا رفع صوت یا نصب ہے۔ اور جب یہی لفظ جناب کے استدلال میں آئے۔ تو اس کا معنی راگ ہی ہے نہ غیر۔ اب بتائیے کہ ایسی چالبازی کسی کے امکان میں ہے۔

قال سادس یہ کہ اقوال وافعال حضرات اکابر ارباب باطن قدس الاسراء ہم کو مؤید حلت گردانتے ہیں۔ حالانکہ ان سے تائید کسی طرح صحیح نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے کہ افعال ان حضرات کے دو حال سے خالی نہیں۔ یا حالت اضطرار ہیں۔ اور بسبب شدت ضرورت دفع مرض تکاسل

کے صدور پاتے ہیں۔ تقدیر اول پر حلت ان کی مثل اور محرمات کے بطریق رخصت شرعیہ کے ہوگی۔ نہ عزیمت شرعیہ کے۔ یہاں تک کہ تائید صحیح ہو۔ اور تقدیر ثانی پر حرمت ان افعال سے مختلف نہیں ہوتی۔ حالانکہ منافع کثیرہ مثل مسرت وقوت وشجاعت وغیرہ کے اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

اقول

نہ در ہر سخن مبحث کرذن رد است

خطا بر بزرگاں گرفتن خطاست

حضرات اکابر ارباب باطن جن کا دوسرا نام اولیاء اللہ ہے۔ چونکہ اخص خواص عباد اللہ اور مقتدا یان امت محمدیہ ہیں۔ اگر ان کے اقوال وافعال مؤید اور سند نہیں ہو سکتے۔ تو کیا عوام کالانعام کے افعال واقوال سند بنائیں گے۔ جناب من! اگر جہان میں کسی کا قول وفعل حل وحرمت میں موئد یا سند بن سکتا ہے تو یہی لوگ ہیں۔ جن کے نفوس مقدسہ محبت الٰہی میں ایسے محو ہیں کہ سوا رضا محبوب حقیقی کے نہ چلتے ہیں نہ پھرتے ہیں نہ اٹھتے ہیں نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ ان کے افعال واقوال ان کے حرکات وسکنات گویا عین شرع ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں

ہر چہ گیر د عِلتی علت شود

کفر گیرد کا ملے ملت شود

قولہ تقدیر اول پر آہ یہ تقریر جناب کی تب قابلِ تسلیم ہوتی۔ جب سماع کی حرمت ثابت ہوجاتی۔ چونکہ اب تک یہ دعوے ثبوت طلب ہے۔ تو اضطرار وشدت ضرورت پر حمل کرنا جناب کے من کے لڈو ہیں۔ **قولہ** اور تقدیر ثانی پر آہ یہ تقریر سراسر تزویر ہے۔ اول تو اولیاء کرام کے افعال ومعمولات کو حرام قرار دینا چھوٹا منہ بری بات کا مصداق بننا ہے۔ اولیاء اللہ کو تو صغائر کے ارتکاب سے بھی محترز رہنا ضروری ہے۔ چہ جائے کبائر ومحرمات قطعیہ بلکہ **حسنات الا برار سیئات المقربین** قاعدہ مسلمتہ الکل ہے۔

من نگویم کہ و چہ گفتی و چہ کن
کہ تو خود دانی اگر زیرک و عاقل باشی

دوئم ان اکابر کی اقتداء تو موجب فلاح دارین ہے۔ حضرت امام غزالی رسالہ **ھو ارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع** میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص خواہ عامی بھی ہو۔ اقتداء سلف صالحین میں سماع کی حالت میں وجد اور رقص کرے۔ تو یہ بھی انہیں سے محسوب ہوگا۔ **بحکم من تشبیه بقوم فھو منھم الحدیث** قال لیکن ان حضرات کو چونکہ تقرب خاص حق تعالیٰ سے ہے۔ اور بحر محبت الٰہی میں غرق ہورہے ہیں۔ لہذا عدم تخلف حرمت کا حق میں ان کے ضرر پہنچا نہیں سکتا۔ جیسے چند قطرات نجاست آب دہ دردہ کو نجس نہیں بنا سکتے۔

اقول

اے نازنیں پسر چہ تو مذہب گرفتۂ
کت خون دیں حلال از شیرِ مادر است

جنابِ من! اگر خواص کو حرام کا ارتکاب ضرر نہیں دیتا۔ تو پھر عوام کو کیا ضرر دے گا

ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

انبیاء کرام علیہم اسلام جن سے کوئی لغزش ہوئی۔ وہ تو اس سے قیامت تک ہراساں و لرزاں ہیں اور اولیاء کرام جو ان کے مناصب سے ہزاروں درجہ کم ہیں۔ یہ ہر روز بلکہ ہر ایک دن میں کئی دفعہ حرام قطعی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اس کو ہمیشہ کے لیے اپنا دستور العمل بنا رکھیں۔ اور ان کا دہ دردہ ویسا پاک کا پاک رہے۔ کیا ان کا دَہ دردَہ انبیاء کے دَہ دردَہ سے زیادہ ہے۔ افسوس ایسی ردی تاویلوں سے اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں۔ جو نادان سے نادان لڑکے بھی اس کردار کو موجب عار جانتے ہیں۔

بر بساط نکتہ داناں خود فروشی شرط نیست
یا سخن دانستہ گو اے مردِ عاقل یا خموش

قال اور اسی عدم ضرر کی وجہ سے امر حرام بہتوں پر مشتبہ بہ حلال ہو گیا۔

اقول عدم ضرر سے کیا مراد ہے۔ دینی یا دینوی۔ اگر دینی مراد ہے۔ تو غلط کیونکہ حرام قطعی کے اصرار سے تو حصہ دین کا جاتا رہتا ہے۔ اور اگر دینوی مراد ہے تو وہ خارج از بحث ہے۔ خلاصہ یہ کہ حرام کا ارتکاب دینی ضرر تو ضرر پہنچا دیتا ہے۔ جب اکابرِ دین باوجود استماع غناء و مزامیر اپنے دینی منصب سے نہیں گرتے۔ بلکہ روز افزوں ترقی پر رہتے ہیں۔ تو یقین ہوا کہ سماع حرام ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ معراج الکمال ہے۔

قال پھر تشقیق اسی تقدیر پر ہے۔ کہ جب غناء اور اصوات معازف اس عالم شہود میں ان حضرات کو مصور بصور شہود یہ ہو کر مسموع ہوں۔ ورنہ اگر عالمِ غیب میں مصور امثال اذکار ہو کر مسموع ہوں گے۔ تو سراسر حلت کا حکم دیا جائے گا۔ اور رائحہ حرمت کا شائبہ بھی پایا نہیں جائے گا۔ لیکن حکم حرمت کا اس عالم شہود میں ان اصوات پر باعتبار انہیں صور شہود یہ کے ہوا ہے۔ نہ اور قسم کے صور کے۔ لہذا ان کی حرمت سے تائید ان صور شہود یہ کی حلت پر صحیح نہ ہو گی۔

اقول اگر عالم مثالی میں ارتکاب حرام قطعی کا مستوجب عذاب الٰہی نہیں۔ تو صرف غناء کا کیا نام۔ بلکہ دوسرے محرمات بھی اس قاعدہ میں آسکتے ہیں۔ تو اس صورت میں جملہ خواص مرفوع القلم ہو گئے۔ کیونکہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ فعل ان سے عالم مثال ہوا ہے۔ نہ شہودی میں۔ پھر خوف کیا۔ اور زلزلہ کہاں کا۔

قال ہر گاہ کہ افعال ان حضرات کے باختلاف اعتبارات مختلف الاحکام ہوئے۔ اور کسی سے تائید نہ ہوئی۔ تو اقوال بھی ان حضرات کے مطابق ان کے احوال کے ہوں گے۔ موئد مدعا ہرگز نہ ہوں گے۔

اقول اولیاء اللہ کے افعال و اقوال حرکات و سکنات اہلِ اسلام کے لیے اعلیٰ درجہ کی سند ہیں ان کا اقتداء و اتباع ہر امر میں موجب نجات و فلاح دارین ہے۔ جو چیز ان پر حلال ہے۔ وہ تمام اہلِ اسلام پر حلال طیب ہے۔ جب ان کے دم قدم سوائے حکم حاکم حقیقی کے نہیں چلتے۔ جیسا کہ

مولانا روم فرماتے ہیں۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

تو ان کے افعال واقوال کس وجہ سے موید وسند نہیں ہو سکتے۔ حضرت خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

گرت ہواست کہ چوں جم بتر غیب رسی

بیاؤ ہمدمِ جامِ جہاں نما مے باش

قال سابع یہ کہ اثبات کراہت یا حرمت میں ان ملاہی کی نسبت جب فساق کی طرف مثلاً کی جاتی ہے۔ تو وصف عنوانی فسق اور سببیّت ومسببیّت سے اس کے اغماض کر کے امور محللہ کو اس نسبت میں شریک کر کے حکم تساوی کا دیتے ہیں۔

اقول تساوی کب اور کس سے جناب نے سنی ہے۔ فساق اور صلحاء کا فرق تو ہر ایک محلل کے مدِ نظر شروع بحث اخیر تک رہتا ہے۔ یہ تو جناب کی چال ہے۔ کہ جو سماع مجالس فساق بوجہ ان کے فسق کے حرام ہو۔ اس کو عام صلحاء وفساق پر بالتساوی حرمت کا حکم لگا دیتے ہیں۔ اپنا گناہ دوسروں کے سر پر تھوپ دینا کیسی چالبازی ہے۔

قال ثامن یہ کہ تحلیل بعض معازف میں بعض اکابر علماء کے قول کو نقل کر کے سکوت کرتے ہیں۔ اور ان کے قول محرم کو پیش نہیں کرتے۔

اقول

مرا بعہد شکن خواندۂ وے ترسم

کہ باتو روز قیامت ہمیں خطاب رود

جناب کو معلوم تو ضرور ہوگا۔ اور یہ بھی ہوگا کہ جس جس کتاب کے حوالے اپنے رسالہ میں دیے ہیں۔ اور روایات نقل کیے ہیں۔ ان کے ماقبل و مابعد میں کتنے روایات محللہ موجود تھیں۔

جن کو جناب نے ترک کر کے اپنے مطلب کے موافق کی روایات نقل کر لی ہیں۔ اگر یہ چال مذموم ہے۔ تو اس میں جناب کا اول نمبر ہے۔ جیسا کہ دوران تحقیق میں عبارات رد المختار وفتاوٰی ہندیہ وغیرہ کے ضمن میں مذکور ہوئی ہیں۔ اب اپنا کردار دوسروں کے ذمہ لگا دینا عجیب قسم کی چالا کی ہے۔

قال تاسع یہ کہ بعض اکابر سے تحلیل بعض معازف کو مقام احتجاج میں نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تحلیل فی الواقع یا مقید بضرورۃ شرعیہ ہوگی یا خطاء اجتہادی پر محمول ہوگی۔

اقول جن معازف کی علت بنا بر اقوال سلف کے ثابت ہوئی۔ ان کو حلال کہہ دینے میں کون سی حرج ہے۔ جب اصل معازف میں ذاتی حرمت ہی نہیں۔ بلکہ عارضی ہے۔ تو جب عوارض ذمیمہ سے معری ہوئیں۔ تو ان کی تقییدات کی کیا ضرورت اور شخصیات کی کیا وجہ۔ **قولہ** خطاء اجتہادی پر آہ **اقولہ** جناب ہی کے اجتہاد کو خطاء پر محمول کرنا نہایت موزوں ہے۔ اس سے کہ جمہور سلف صالحین ومحدثین وفقہا، مجتہدین واولیاء مہتدین کے اجتہاد کو خطا پر محمول کیا جائے

تو ہم مے نشنوی بابنگِ دہل را
رموزِ ہنر سلطاں راچہ دانی

قال وعلی ہذا القیاس بعض امور اور بھی ہیں جو مدار مخالفت محللین واقع ہوئے ہیں۔ اور بعد تحقیق وتدقیق کے خارج قواعد شرعیہ سے ہو جاتے ہیں۔

اقول اگر قواعد شرعیہ انہیں کا نام ہے۔ جن کو جناب نے بُن تن کر حرمت سماع علی الاطلاق کو ان پر مرتب کیا ہے۔ تو ان سے تو جناب کا مدعا ثابت نہ ہوا۔ اور اگر کوئی قواعد ہیں۔ جو جناب کے ذہن عالی میں مرکوز ہیں۔ ابھی میدان قرطاس نہیں نکلے۔ تو ان کی مخالفت یا مطابقت رد اداستتار میں ہے۔ جب اس میدان میں آئیں گے تو ہم بھی دیکھ لیں گے۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم پر سر گراں کیوں ہو

قال غرضیکہ راگ اور جتنے معازف ہیں۔سب بطور عزیمت حرام ہیں۔صرف جن آلات لہو کی رخصت جن عوارض کی وجہ سے احادیث قویہ میں آ گئی ہے۔وہ تو بعد تحقق ان عوارض کے حلال ہوجاتے ہیں ورنہ نہیں۔اور جن آلات کی رخصت احادیث میں نہیں آئی وہ کسی طرح حلال نہیں ہوسکتے۔

اقول:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

من انداز قدت رامی شناسم

قبل ازیں مفصل مذکور ہوا۔کہ راگ اور معارف فی الاصل مباح ہیں۔اور بحیثیت استعمال اس کی دوصورتیں ہیں۔حلال،حرام،حلال میں مباح ومستحب وغیرہ سب داخل ہیں۔اوراسی طرح حرام میں مکروہ بھی داخل ہے۔یہ جملہ فی الاصل مباح تھے۔الا بوجہ عوارض ذمیمہ کے بعض مواقع میں حرام ہوجاتی ہیں۔اب جو حلال ہیں اباحت اصلیہ پر اور جو حرام ہیں وہ بوجہ لحوق عوارض ذمیمہ کے۔آیت شریفہ بحسب تفسیر بعض صحابہ میں بھی یہی تفصیل ہے کما مرّ۔اور خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا فرمان واجب الاذعان اور صحابہ وتابعین واتباع تبع ومحدثین وائمہ مجتہدین کے اقوال واعمال اس کے شواہد عادلہ ہیں۔عزیمت اور رخصت رخصت۔فاضل معاصر کے دل میں حرمت ایسی جذب ہوئی کہ اس بے چارہ کے سوائے حرمت کے اور کچھ بھی نہیں سوجھتا۔جہاں دیکھتے ہیں وہاں ان کو حرمت ہی نظر آتی ہے۔اباحت اور حلت خواہ کیسی ہی دلائل قویہ اور براہین جلیہ سے کیوں نہ ثابت ہو۔مگر اس طرف ان کی آنکھ بھی نہیں پھرتی۔سچ ہے **حبک الشیءیعمی ویعصم۔**

در و دیوار من آئینہ شد از کثرت شوق

ہر کجا می نگرم روئے شمامی بینم

افسوس کہ اپنے استاذ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالحی لکھنوی کے فرمان کو بھی پسِ پشت کر دیا۔جیسا کہ مجموعۃ الفتاویٰ جلد دوم استفتا نمبر ۱۴۵ کے اخیر میں لکھتے ہیں۔کہ قول فیصل اس باب

میں جو موکد بالا حادیث ہے یہی ہے۔ کہ نفس غناء عموماً ممنوع نہیں۔ بلکہ اس میں حرمت یا کراہت بوجہ عوارض خارجیہ کے عارض ہوتی ہے۔انتہی۔

قال اورتقریبات محللین کی بسبب فساد ان کے مبنی کے بالکل فاسد میں قابلِ سماع نہیں۔

اقول خواجہ حافظ فرماتے ہیں

قلندرانِ حقیقت بہ نیم جو نخرند

قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

محللین کے دلائل تو سلف صالحین کے افعال واقوال ہیں۔ بلکہ احادیث صیحہ جن کی صحت کو جناب بھی تسلیم کر بیٹھے ہیں۔ان پر ان کی تقریریں مبنی ہیں۔ اگر یہ فاسد ہیں۔تو تمہاری صلاح کو ہمارا سلام

قال بلکہ بوجہ فساد مبنی کے اور قواعد شرعیہ سے خروج کرنے کے بعض نے دعوے انعقاد اجماع کا حرمت پر کیا۔

اقول یہ اجماع ذووجہین ہے یعنی حلت سماع پر بھی اجماع اور حرمت پر بھی۔لیکن چونکہ علت اورحرمت کے مصادیق الگ الگ ہیں۔اس لیے یہ ایک اجماع ذووجہین ہوگا۔فاضل معاصر اس حقیقت سے نامعلومی کی وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ بعض نے انعقاد اجماع کا دعوے حرمت پر کیا۔

قال کیونکہ مسئلہ غنا ومعازف میں جبکہ محللین نے باوجود ان کے قلت کے پابندی قواعد کی نہیں کی۔تو مخالفت ان کی اجماع محرمین میں کہ جو با قاعدہ باوجود کثرت مجمعین کے ہوا ہے ضرر نہ پہنچائے گی۔

اقول بناء الفاسد علی الفاسد اسی کا نام ہے۔جس کو فاضل معاصر عمل میں لا رہے ہیں۔ اول تو محللین کی قلت کبھی کسی زمانہ میں ہوئی نہیں۔ جبکہ خیر القرون میں اس کا عام رواج رہا ہے پھر پابندی قواعد شرعیہ کی اگر ان لوگوں سے نہیں ہوئی۔تو پھر کرے گا کون۔ دوئم یہ کہ جب ان دونوں مسائل یعنی حلت وحرمت سماع کے موارد علیحدہ علیحدہ ہوئے تو پھر ان میں تقابل کیسا۔ لہذا نہ وہ

اجماع اس اجماع کا مزاحم اور نہ یہ اس کا بلکہ یہ ایک ہی اجماع ہے۔جس کی دو جہتیں ہیں۔

قال اس لیے اجماع مسئلہ میں اجماع ان اہلِ حل وعقد کا معتبر ہے۔ کہ جو اس مسئلہ میں پابند قواعد ہیں۔

اقول لن یصلح العطاما افسده الدھر فاضل معاصر کی کلام کے بنانے کی بہت کوشش کی گئی ۔ اوراس کے اجماع کو صحیح اجماع مانا گیا۔مگراس کی اندرونی آتش سوائے مجالدہ کے نہیں روکتی۔

قال اس وجہ سے مخالفت خوارج وروافض ومعتزلہ کی اجماع اہلِ سنت والجماعت میں مضر نہیں ہوتی۔

اقول:

مر مر اباور نمے آیدزروئے اعتقاد
ایں چنیں بک کردن ودین پیمبر داشتن

ایسے ایسے اکابر دین ومعتقد ایان مسلمین کوروافض وغیرہ سے تشبیہ دینا یہ جناب جیسے گستاخ اور بے باک آدمی کا کام ہے۔

قال خلاصہ کلام اس مقام میں یہ ہے کہ حرمت غناء ومعازف باقتضاء قواعد کے اور اتفاق جمہور محدثین وفقہاء کے حق اور صواب ہے۔اور حلت اس کی باطل اور خطاء۔

اقول:

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

دن روشن کی طرح حق ظاہر ہے۔اور کبھی کسی کے اخفاء سے مخفی ہونے کا نہیں کہ جس کام کو خود جناب سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذاتِ اقدس کیا ہو۔اور اس کے کرنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا ہو۔اور صحابہ کبار نے بھی اس کی عملدرآمد رکھی ہو۔بعدازاں ہر قرن میں اس کا رواج عام رہا ہو۔

اورصوفیائے کرام کا خاص معمول بہ بلکہ معراج الکمال ہو۔اور محدثین نے اس کو بڑے زور سے روا رکھا ہو۔اور تابعین و تبع تابیعن اور ائمہ مجتہدین ہر چہار مذہب وفقہائے مقلدین ہر چہار مذہب نے بھی اس کو روا رکھا ہو۔اب بتائیے کہ یہ حق ہے کہ یا خطاء اور ایسے حق حقیقی کو باطل قرار دینے والا کون ہوگا۔اور شرعاًاس کا کیا حکم ہے۔

ع عاقلاں وانند ایں از من سپر من

گفتگو آئین درویشی بنود

ورنہ باتو ماجرا ہا داشتم

چونکہ رسالہ مردودہ ختم ہوگیا ہے۔اور قارئین کرام کے ملال طبعی کا لحاظ ہے اس لیے مضمون کو ختم کرنا مناسب نظر آتا ہے۔ورنہ اگر تمام تقاریر اس مسئلہ کے متعلق بالتفصیل لکھی جائیں۔تو ایک کتاب بسیط بن جائے گی۔لیکن اہلِ انصاف کے لیے یہی قدر کافی ہے۔زیادہ زیادہ

در بند آں مباش کہ مضمون نمائندہ است

صد سال مے تواں سخن زلفِ یار گفت

خَاتِمَه فی اٰدَابِ السِمَاعِ

جاننا چاہیے کہ سماع ایک معظم اور مکرم چیز ہے۔اس کو معمولی اور فضول ہرگز نہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ مثل باقی ارکان دین کے اس کی شرائط و آداب کا لحاظ ضرور ہونا چاہیے شرائط بھی چھ ہیں۔اور آداب بھی چھ۔شرائط تو پیچھے مذکور ہوئیں۔اب آداب کا ذکر کیا جاتا ہے۔ذرا غور سے سنیے۔

الاول احیاء العلوم میں امام غزالی نے فرمایا کہ حضرت شیخ ممشا دعلو دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا اس سماع کو آپ برا جانتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اہم اس کو ہرگز برا نہیں جانتے۔لیکن ان کو کہہ دو کہ اس کا شروع بھی کلامِ الٰہی سے کیا کریں۔اور اس کا ختم بھی قرآنِ شریف سے کیا کریں۔خلاصہ یہ کہ باوضو پاک جگہ میں بیٹھ کر اول آخر قرآن پڑھ کر سماع کیا جائے۔

الثانی رعایت زمان ومکان واخوان شیخ الطریقت جنید بغدادی نے کہا کہ سماع تین چیزوں کی طرف محتاج ہوتا ہے۔اگر ان کی رعایت نہ کی جائے تو سماع فضول اور بے اثر ہے۔زمان، مکان، اخوان، زمان یہ کہ ایسے وقت میں سماع کرے۔جس میں دل کو کلی فراغت ہو نہ کھانے کا وقت ہو نہ نماز کا۔اور خصوصیت اور اضطرابِ قلب بھی نہ ہو۔اور مکان یہ کہ ایسا رستہ عام نہ ہو۔ جس میں لوگوں کی آمدورفت ہو۔اور مکان موزں ہو۔اور اخوان یہ کہ کوئی خبر جنس منکرِ احوال اول، اور وہاں موجود نہ ہو۔اور سب کے سب ہم جنس و ہم خیال ہوں۔ ورنہ تشویشِ قلب گرمی کو سرد نہ ہونے دیں اور اسی طرح اگر کسی طائفہ کی عادت مقرر ہو جائے کہ سماع میں جب کوئی اپنی دستار اتار دیے یا کپڑا اپھاڑ دے۔ اور باقی بھی اس کی متابعت کرتے ہوں۔تو یہ بھی متقضائے حسن ِ معاشرت مستحسن ہوگا۔ اس میں کوئی ممانعت نہیں **لکل قرم رسم** الکامسنبتط من احیاء العلوم فقط۔

التماس

جناب مؤلف رسالہ خیر النواھی کی خدمت میں باادب گزارش ہے کہ براہ راست نوازش تعصب کو دور کر کے اس رسالہ کو بنظرِ انصاف دیکھیں۔ اور ناراضگی ورنجش کو دل میں ہرگز جگہ نہ دیں۔ کیونکہ ہر ایک امر میں خصوصاً امور دینیہ میں حق پرستی احسن الامور ہے۔ اور اگر کوئی لفظ منصب عالی کے نامناسب نکلا ہو۔تو معافی دیں۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم
تو خواہ از غنم بند گیر و خواہ جمال

اب میں اپنے خالقِ حقیقی جل جلالہ کا خالص دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جس کی عنایت ِعامہ نے مجھ جیسے ناچیز بندگان کو ایسے بارِگراں کے اٹھانے کی طاقت دے کر بخیر وعافیت منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔

من شکر چوں کنم کہ ہمہ نعمت توام
نعمت چگو نہ شکر کند بازبان خویش

اور اپنے پیر دستگیر روشن ضمیر غوث زمان قبلۂ عالم مزین السجادہ سیال شریف مدظلہ العالی کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں۔ جن کی امداد ظاہری و باطنی نے میری دستگیری فرما کر ایسے بحرِ عمیق سے فائز المراد ساحل مقصود پر واصل فرمایا

ازاں زماں کہ برایں آستاں نہادم رو
فراز مسند جمشید تکیہ گاہِ من است

سبحان رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین و الحمدللہ رب العلمین

حرّرَہُ المسکینُ احمدالدین بیَدِہٖ وَ قلَمِہٖ

رسالۂ میلاد

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ میلاد شریف کس طریقہ پر جائز ہے اور کس طریقہ پر ناجائز ہے۔

الجواب بعون الملھم للصواب

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محرومِ ماند از لطف رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

باسمہ عزاسمہ میلاد مقدس یعنی حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت کا تذکرہ کرنا ہر طریق اور ہر رنگ میں جائز بلکہ مستحسن و باعث برکات ہے۔

ذکر حبیب شعبہ وصل حبیب ہے
تصدیق اس کی عاشق صادق سے پوچھئے

خواہ یہ تذکرہ بحالت انفرادی ہو یا اجتماعی پھر عام اس بات کے کہ یہ اجتماع اتفاقی ہو یا بالتداعی و خواہ بتعیین تاریخ ہو یا نہ غرض بہر کیف و بہر طریق جائز بلکہ احسن ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا طریقہ نہیں جس کو شریعت عزانا جائز قرار دے۔

دیکھئے قرآن شریف میں جیسا کہ احکام شریعت کا مکمل ذکر ہے اسی طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے میلاد شریف بھی مذکور ہیں مثلاً آدم علیہ السلام کا میلاد کسی شان وشوکت سے مذکور ہوا اور جن کو یہ معاملہ ناگوار گزرا ان کا اس کے آگے ناصیہ نیاز زمین پر رگڑ دیا اور ان میں سے جس نے اس نیاز و تعظیم محبوب الٰہی سے انکار و استکبار کیا اس کو لعنتی و ابدی جہنمی قرار دیا۔ علی ہذا القیاس ابراہیم و موسیٰ و یحییٰ وغیرہم صلوات اللہ علیہم وسلامہ کے میلاد مقدس کس جاہ وجلال سے

مذکور ہوئے بلکہ یہ تمام فی الحقیقت اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد شریف کے مبادی تھے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے پارہ تلک الرسل میں کہا ہے: ان الملائکہ اُمِرُوْ ابالسجود لاجل ان نور محمدٍ علیہ السلام فی جبھۃ آدم ۰ یعنی بے شک فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سجدہ کا حکم اس لیے ہوا تھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور اس کی پیشانی میں تھا۔

اور خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد مقدس کا قرآن شریف کے متعدد جگہ میں ذکر ہوا۔ مثلاً

لَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِکُمْ عَزِیزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیصٌ عَلَیْکُم بِالْمُؤْمِنِینَ رَؤُوفٌ رَّحِیم (سورۃ التوبہ، ۱۲۸)

قَدْ جَاءَ کُم مِّنَ اللَّہِ نُورٌ وَ کِتَابٌ مُّبِینٌ ۰ (سورۃ المائدہ، ۱۵) وغیرہ وغیرہ۔ تو جس طرح احکام شریعت مندرجہ کلام الٰہی کے تذکرہ کرنے کے لیے کوئی طریقہ مخصوص نہیں خواہ انفرادی حالت میں دو تین مسلمان بیٹھ کر احکام شریعت کا ذکر کریں یا بحالت اجتماعی اور خواہ اجتماع اتفاقیہ ہو جائے یا تاریخ مقرر کر کے علماء ربانی و دیگر عوام و خواص مسلمانان کو دعوت دے کر بلایا جائے اور اس مجلس میں وعظ احکام شریعت ہو تو جائز و مستحسن و مروج ہے کسی کو ایسے مجالس و محافل کا انکار نہیں ہوتا۔ اسی طرح میلاد مقدس مندرجہ کلام الٰہی کی تفصیل و تشریح کے لیے بھی کوئی طریقہ خاص نہیں جس طریقے سے ذکر حبیب الٰہی ہو سکے اس پر کسی کو انکار کی گنجائش نہیں لیکن حسد اور عناد مرض بھی لا علاج ہیں۔

بمیرتا رہر ہی ای حصود کایں رنجیت
کہ جز بمرگ تو از دست تو نخواہد رفت

جس چیز کا ذکر قرآن شریف میں بار بار آیا ہو اس کے جواز یا عدم جواز کے طریقہ سے سوال کرنا اگر حماقت نہیں تو جہالت ضرور ہے۔

عبداللہ سائل نے سوال کی تقریر میں غلطی کی کہ میلاد شریف کے جائز و ناجائز طریقہ سے سوال کیا اگر اس نے سوال کرنا تھا تو اس طرح کرتا۔ کیا فرماتے علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ میلاد

شریف کی مجلس میں شامل ہونا کس شخص کو جائز ہے اور کس شخص کو ناجائز ہے۔ البتہ یہ سوال معقول تھا تو اس کے جواب میں چنداں صعوبت کا سامنا نہ ہوتا۔ صرف مختصر جواب کافی تھا (ایسی مجلس پاک میں شامل ہونا حلالیوں کو حلال اور حرامیوں کو حرام) یہ وہ مختصر مگر جامع جواب ہے جو حضرت غوث زمان وقطب دوران حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے حلت وحرمت سماع کے سوال کے جواب میں ایک سائل کو فرمایا تھا۔ اس فقرہ جامعہ کا مفاد یہ ہے کہ جس شخص کو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا کمال ہے اور آپ کے اوصاف سننے کا ہر وقت مشتاق رہتا ہے من احب شیئاً اکثر ذکرہ اور آپ کے فضائل وکمالات سننے سے اس کا دل مالا مال ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کے حق میں اس پاک مجلس میں شامل ہونا تریاک کا درجہ رکھتا ہے اور جو شخص آپ کے فضائل وکمالات سننا نہ چاہے یا سننے سے اس کا دل نفرت وانکار میں رہے تو ایسے شخص کو اس مقدس محفل میں شامل ہونا زہر قاتل ہے۔ ایسے شخص کو اس پاک مجلس میں بٹھا کر حضور پاک صاحب لولاک کے مناقب وفضائل سنانا گویا فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور نمرود کو ابراہیم علیہ السلام کے تولد کی بشارت دینا ہے۔ اسی بنا پر میرا طریقہ ہے کہ جب ہی مجلس میلاد مقدس منعقد کرتا ہوں تو افتتاح سے پہلے اعلان دے دیتا ہوں کہ اس مجلس میں آپ کے فضائل وکمالات مذکور ہوں گے جس شخص کو آپ کے کمالات خداداد سننے سے فرحت حاصل ہو وہ بیٹھ کر سنے اور جس کو ناگوار و ناپسند ہوں وہ اس پاک مجلس سے نکل جائے چنانچہ اس اعلان کے سنتے ہی کئی ایک آدمی نکل جاتے ہیں۔

اب اصل مدعا یعنی ذکر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزید ثبوت کے لیے آیات ذیلہ ملاحظہ ہوں۔

قال اللہ تعالیٰ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (سورۃ ال عمران، ۱۰۳) اس آیت میں منعم حقیقی اپنی نعمتوں کے ذکر کرنے کا حکم دیتا ہے یعنی یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور اس میں شک نہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں سے اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے جیسا کہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ (سورۃ ال عمران، ۱۶۴)

اس آیت سے آپ کا وجود مسعود نعمت اللہ ہونا ثابت ہو گیا اور نیز آپ کے اسماء مبارک نعمت اللہ بھی ہے جیسا کہ قسطلانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور دلائل الخیرات جو کہ تمام سلاسل اولیاء میں مروج ہے اور اس میں بھی ہے مزید فرمایا:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (سورۃ الضحی، ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا تذکرہ کیا کرو

وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ (سورۃ النحل، ۱۱۴) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو تو اس کی نعمت کا شکر کرو۔ ان دونوں آیتوں میں رب العالمین جل جلالہ اپنے نعمتوں کے تذکرہ کرنے کا ارشاد فرماتا ہے اور شکر کرنا بھی مرادف التذکرہ ہے جیسا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

التحدث بنعمة اللّٰه شكر وتركه كفر رواه محي السنه فى المعالم مع اسناده

یعنی نعمت الٰہی کا تذکرہ کرنا شکر ہے اور اس کے تذکرہ کو چھوڑ دینا کفران نعمت ہے۔ وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللّٰهِ (سورۃ ابراہیم، ۵) یعنی یاد دلا ان کو دن اللہ تعالیٰ کے۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ دنوں سے مراد واقعات عظیمہ ہیں جو اُن دنوں میں واقع ہوئے ہیں۔

پھر اہل ایمان کو دیکھنا چاہیے کہ آپ کے ظہور سے بڑھ کر کون سا واقعہ ہے جس میں ایوان کسریٰ کا شق ہونا اور اصنام کا سر کے بل گرنا اور فارس کا آتش کدہ بجھ جانا اور اسمان سے تاروں کا نیچے جھک آنا اور کعبۃ اللہ کا جھک کر شکر الٰہی بجالانا ایسے ایسے بہت سے واقعات کو شامل ہے۔ میلاد شریف کے تذکرہ میں ان تمام واقعات عجیبہ کا تذکرہ ہو جاتا ہے۔ ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ محبوب رب العالمین کی ولادت باسعادت کا تذکرہ کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

چونکہ سیّد الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاوّل بنا بر اشہر روایات

کے ہوئی ہے بروز دوشنبہ بالاتفاق اس لیے اس تاریخ کو عید منانا اور خوشی کرنا ہر مسلمان کا شعار ہے۔ یہ وہ دن ہے جس میں شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین سید الاولین والاخرین امام الانبیاء والمرسلین افضل الخلائق اجمعین عالم غیب سے شاہد شہود میں تشریف لاکر زمین وزمینیان آسمان وآسمانیان بلکہ من تحت الثریٰ الی قاب قوسین او ادنی کو برکات وفیوضات سے مالا مال فرما دیا۔ الحق اگر عید ہے تو یہی ہے اگر دن سعید ہے تو یہی۔ اگر فرحت ومسرت کا روز ہے تو یہی ہے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ واللہ نہ اس دن کے ساتھ کوئی دن مقابلہ کرسکتا ہے اور نہ اس کی رات کے ساتھ کوئی رات موازنہ کرسکتی ہے۔ قرآن شریف میں لیلۃ القدر کی فضیلت مذکور ہے۔ مگر اس رات پر ہزار لیلۃ القدر قربان۔ حضرت محقق محدث مولانا عبدالحق دہلوی ماثبت بالسنہ ص ۴ ۳ میں لکھتے ہیں:

ثم اذا قلنا انہ ولد لیلاً فتلک اللیلۃ افضل من لیلۃ القدر بلا شبہۃٍ

یعنی اگر آپ رات کو پیدا ہوئے تو یہ رات لیلۃ القدر سے بلاشک افضل ہوگی اور اس دن پر ہزار عید تصدق۔ اس بارہ میں حضرت حاجی صاحب جو مولانا رشید احمد صاحب کے پیر طریقت ہیں کیا خوب کہا:

عیدگاہ ما غریباں کوئی تو
انبساط عید دیدن روئے تو
صد ہلال عید قربانت کنم
ای ہلال عید ما ابروئے تو

اور اس رات بابرکات کے لیلۃ القدر سے افضل ہونے کے وجوہات میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخوان طریقت یعنی آپ کے پیر بھائی حضرت محقق ومدقق ومحدث دہلوی ماثبت بالسنۃ کے ص ۴ ۳ لکھتے ہیں:

لان لیلۃ المولد لیلۃ ظھورہ ﷺ ولیلۃ القدر معطاۃ لہ وما شرف بظھور الذات المشرف من اجلہ اشرف مما شرف بسبب ما اعطاہ ولان لیلۃ القدر شرف

بنزول الملئکۃ فیھا و لیلۃ المولد شرف بظھورہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و لان لیلۃ القدر وقع التفضل فیھا علی امۃ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم و لیلۃ المولد الشریف وقع التفضیل فیھا علی سائر الموجودات الخ

اور آپ سے سوال کیا گیا دوشنبہ کے دن روزہ رکھنے کا تو آپ نے فرمایا کہ اسی دن میں میری ولادت ہوئی اور نبوت بھی عطا ہوئی۔ **ذاک یوم ولدت فیہ ہ انن لت علی فیہ النبوۃ رواہ مسلم وماثبت بالسنۃ**

اب اس مبارک دن میں خوشی کے ثبوت میں وہ آیت شریفہ پیش کی جاتی ہے جو سورۃ یونس میں ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذَٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوا ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْن (سورۃ یونس، ۵۷)

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا فرحت وسرور کرنا ساتھ فضل ورحمت خداوندی کے اور اس میں شک نہیں کہ رسول خدا ﷺ خدا کی رحمت بھی ہیں اور فضل بھی۔ آپ کا رحمت ہونا اس آیت سے ثابت **وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ** (سورۃ الانبیاء، ۱۰۷) یعنی ہم نے آپ کو تمام جہانوں کی رحمت کے لیے بھیجا ہے اور آپ کا فضل ہونا اور نیز رحمت ہونے کے ثبوت میں حسب تصریح علامہ ماوردی یہ آیت کافی ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطَانَ إِلَّا قَلِیْلًا ۰ (سورۃ النساء، ۸۳)

یوں اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل ورحمت تو تم شیطان کے تابع ہوجاتے۔

جب آپ کا وجود مسعود رحمت بھی ہوا اور فضل بھی اور بارگاہ ایزدی سے رحمت اور فضل پر خوشی کرنے کا تاکیدی ارشاد صادر ہوا تو ثابت ہوا کہ آپ کی ولادت باسعادت پر خوشی کرنا ضروری ہے۔

اب اس خوشی کے نتائج میں سے وہ واقعہ ہے جس کو علماء سیر واخبار بروایات نقل کرتے ہیں کہ جس دن حضور پاک ﷺ عالم دنیا پر تشریف آور ہوئے تو ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے ابولہب

کوآپ کی ولادت باسعادت کی بشارت دی تو ابولہب نے خوشی میں آ کر اسے آزاد کر دیا اور آزاد کرتے وقت دونوں انگلیوں سبابہ و وسطیٰ سے اشارہ کیا۔ جب وہ فوت ہوا تو خواب میں کسی نے دیکھا اور احوال پوچھا تو اس نے کہا کہ آگ میں ہوں مگر دوشنبہ کے دن بوجہ خوشی کرنے ولادت باسعادت سرور عالم ﷺ کے وہ عذاب تخفیف ہو جاتا ہے اور ان دونوں انگلیوں سے پانی نکلتا ہے جن کو میں چوستا ہوں اس واقعہ کو محدث دہلوی نے ما ثبت بالسنۃ کے ص ۳۴ میں لکھا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

قال ابن جری فاذا کان ھذا ابو لھب الکافر الذی نزل القران بذمه جوزي فی النار بفرحه لیلة مولد النبی صلی اللہ علیه وسلم فما حال المسلم من امته یسر بمولده ویبذل ماتصل الیه قدرته فی محبته صلی اللہ علیه وسلم لعمری انما کان جزائه من اللہ الکریم ان یدخل بفضله العمیم جنات النعیم

ابن جری نے کہا ہے کہ جب ابولہب کا یہ حال ہے جس کی مذمت میں قرآن شریف اُترا جو آگ میں بھی آپ کی دلالت کی خوشی کرنے سے جزا دیا جاتا ہے۔ تو آپ کے اُمتی مسلمان کا کیا کہنا جو آپ کے میلاد مقدس کی خوشی کرے اور حسب طاقت خرچ کرے آپ کی محبت میں مجھے اپنی قسم ہے کہ اس کو اللہ ہی جزا دے گا م یہ کہ اپنے فضل و کرم سے اسے جنات النعیم میں داخل کرے گا۔ یہ ہے حضور اقدس ﷺ کی میلاد مقدس پر خوشی کرنے کا نتیجہ **رزقنا اللہ تعالیٰ دائما ابداً**

اب اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ ولادت باسعادت تو ایک دفعہ ہو چکی اور اس پر خوشی کا اظہار بھی اپنے وقت میں جس نے کیا کر چکا لیکن اس تاریخ کو ہمیشہ کے لیے مقرر کرنے اور خوشی کا سامان مہیا کرنے اور اس دن کو ہر سال میں عید منانے کا کیا ثبوت ہے۔

اس کا جواب (اوّلاً) ہمارے سے مت پوچھوئے اگر پوچھنا ہے تو رئیس المنکرین امام المخالفین مولوی اشرف علی تھانوی سے پوچھئے۔ کیونکہ باوجود اشد منکر ہونے کے اس نے ایک

رسالہ لکھا ہے نام اس کا **السرور بظھور النور** رکھا اور اس کا لقب **ارشاد العباد فی عید المیلاد** رکھا اور اس کے مطلع میں سورہ یونس آیت ۵۷ جو پہلے مذکور ہو چکی **قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْن** لکھی اور ان دونوں امروں کو یعنی فرحت اور عید دن میلاد کو ثابت کر دیا۔ ہمیں یہاں تقریب کے تقرر کرنے کوئی ضرورت نہیں۔

(ثانیاً) شرع شریف میں یہ مضمون پایا گیا ہے جس روز کسی نعمت عظمیٰ کا ظہور ہو ہر سال اسی روز خوشی کیا کریں۔ قرآن شریف میں اس تعیین یوم کی مثال یہ ہے کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے لیے آسمان سے مائدہ اُترے تب عیسیٰ علیہ السلام نے جناب الٰہی میں باخلاص تمام عرض کیا **اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَاءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْداً لِّاَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآیَۃً مِّنْکَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّازِقِیْن** (سورۃ المائدۃ، ۱۱۴) امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں یا اللہ اتار ایک خوان کھانے کا آسمان سے کہ ہو جائے وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید یعنی جس دن وہ مائدہ اُترے اس کو ہم عید بنالیں اور ہمارے بعد جو پیدا ہوں وہ بھی اس کو عید بنائیں اس دن کی تعظیم جاری رہے۔ اس سے صاف روشن ہو گیا کہ جس دن کسی نعمت الٰہی کا ظہور ہو اس دن کو ہمیشہ کے لیے عید بنا کر خوشی منانا چاہیے ہم مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی نعمت حضور پاک ﷺ کا وجود مسعود ہے۔ تو ہمیں اس دن کو عید بنانا اور خوشی کا اظہار کرنا از حد ضروری۔ اور اس کا ثبوت قرآن شریف سے ہو گیا۔

(ثالثاً) اس کا ثبوت حدیث شریف میں بھی ہے۔ یہ سند ابن حجر محدث نے مسلم اور بخاری کی حدیث سے نکالی ہے یعنی جس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے یہود کو دیکھا کہ عاشور محرم کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا کہ یہ وہ دن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کے شر سے بچا لیا تو موسیٰ علیہ السلام نے روزہ شکر کا رکھا اور ہم بھی اس نعمت کے شکر کے لیے روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تمہاری نسبت ہم کو زیادہ مناسبت موسیٰ علیہ السلام کے ہے۔ تب آپ نے بھی اس دن کا

روزہ رکھنا شروع کر دیا اور صحابہ کو بھی ارشاد فرمایا۔ یہ حدیث صحیح ہے مسلم اور بخاری میں موجود ہے۔

اب دیکھئے کہ کب فرعون ڈوبا اور کب موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی اور جب سے اب تک اس نعمت کا شکریہ جاری ہے کہ جب وہ عاشور محرم کا آتا ہے ہر سال اہل اسلام اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور رسول اللہ علیہ السلام کا پیدا ہونا تو ایسی بڑی نعمت ہے کہ نزول مائدہ عیسیٰ اور نجاۃ موسیٰ علیہ السلام سے کہیں فائق و افضل و اکمل ہے۔ پس اس دن ہر سال میں آئے تو کیوں نہ فرحت و سرور کیا جائے۔

(رابعاً) حدیث صحیح ہے احب الاعمال الی اللہ ادومہا ان اقل یعنی اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند ہوتا ہے جو ہمیشہ کیا جائے۔ اگرچہ تھوڑا بھی ہو۔ تو یہ دن مبارک اہل اسلام کے لیے عید مقرر ہو چکا اور اس میں فرحت و سرور کا ارشاد صادر ہو گیا تو یہ عمل ہمیشہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔

یہاں ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب عید میلاد ثابت ہو گئی تو خود حضور ﷺ نے اس کو کیوں نہ منایا۔ اس اعتراض کا جواب ابن حاج نے مدخل میں دیا ہے یہ وہ ابن الحاج ہے جس کو منکرین و مخالفین اپنا پیشوا بنائے پھرتے ہیں۔ جس کی نص عبارت یہ ہے:

وان کان النبی ﷺ لم یزد فیہ علی غیرہ من الشھور شیئاً من العبادات وما ذلک الا لرّحمۃ ﷺ بامۃ و رفقاً بھم لانہ کان یترک العمل خشیۃ ان یفرض علی امتہ ٭

یعنی اگرچہ آپ نے ماہ ربیع الاوّل میں دوسرے مہینوں سے زیادہ عمل نہیں کیا۔ یہ صرف آپ کی رحمت اور مہربانی کرنے اُمت پر کیونکہ آپ بسا اوقات عمل ترک کر دیتے تھے مبادا اُمت پر فرض نہ ہو جائے۔

مخفی نہ رہے کہ میلاد مقدس کی عید تو اسی تاریخ سے مخصوص ہے جس میں آپ کی ولادت باسعادت سے عالم دنیا مشرف ہوا۔ یہ عید صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام مخلوقات علوی و

سفلی جن وانس وحوش وطیور بروبحر سب کوحاوی ہے۔اگرتسلی نہ ہوتو جنتری دیکھ لیں کہ انگریز باوجود غیرمسلم ہونے کے ہرسال ۱۲ ربیع الاول کوعید میلا دمنانے کے لیے تعطیل کردیتے ہیں جس سے تمام ملازمین واہل کار استراحت وآرام سے دن گزارتے ہیں اورعموماً مسلمان اس دن میں کھانا پکا کرآپ بھی کھاتے ہیں اورمساکین کوبھی کھلاتے ہیں اورخاص الخاص مسلمانان مجلس میلا دمقدس منعقدکرکےفرحت وسرورکامظاہرہ کرتے ہیں جس سے معاندین کےاجسام کوحسدکی آگ میں جلا کرکوئلہ بنادیتے ہیں۔یہ ہیں آثارعیدمیلا دحضرت مجدصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ماثبت بالسنہ میں فرماتے ہیں:

فرحم اللہ امرائً تخذلیالی شھر مولدہ المبارک اعیاداًلیکون اشدعلۃعلی من فی قلبہ مرض و عناد (ماثبت بالسنۃ ص ۴۳)

آپ کے ولادت مبارک کے مہینے کی راتوں کوعید منایا تاکہ معاند کے لیے سخت علت و وبال ہواور یہ عید میلا دقدیم الایام سے مسلمانوں میں مروج ہوچکی ہے۔بڑے بڑے علماء محدثین اس کے قائل بلکہ عامل رہے ہیں اوراس محفل مبارک اورعیدمنورکو باعث برکات سمجھتے رہے۔جیسا کہ محدث دہلوی کہتے ہیں:

ولا یزالون اھل الاسلام یختلفون بشھر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم ویعملون الولائم ویتصدقون فی لیالیہ بانواع الصدقات ویظھرون السرور ویزیدون فی المبرات ویعتنون بقرئۃ مولد الکریم ویظھر علیھم من برکاتہ کل فضل عممیم (ماثبت بالسنۃ)

یعنی ہمیشہ آپ کے مولدمبارک کے مہینہ میں اہل اسلام آتے جاتے ہیں اوردن راتیں میں گوناگوں دعوتیں اورصدقات کرتے اورخوشی کااظہار کرتے ہیں اوربہت نیکیاں کرتے ہیں اور مولدبڑےاہتمام سے پڑھتے ہیں جس کے برکات سےان پرفضل عظیم ظاہرہوتاہے۔

دیکھئے فقرہ لایزالون اھل اسلام کس قدر پرزور ہے لایزالون سے دوام اوراہل اسلام

سے عموماً مستنبط ہے۔ جس کا مفاد یہ ہوا کہ ہمیشہ تمام اہل اسلام اس محفل مقدس اور عید سعید کے قائل اور عامل رہے ہیں لیکن محفل مولد شریف کی تخصیص اس طور پر کہ خاص ۱۲ ربیع الاول کے بغیر جائز نہ ہو یہ کسی عالم اہل سنت نے تصریح نہیں کی بلکہ اہل اسلام جب کر سکیں کریں۔ عبارتیں، فتاویٰ متقدمین کی صریح موجود ہیں۔ ملاّ علی قاری نے اپنے رسالہ مورد الروی فی مولد النبی میں لکھا ہے

بل یحسن فی ایام اشهر کلها و لیالیه یعنی میلا د مقدس مہینہ کے تمام دنوں اور راتوں میں مستحسن ہے۔ پھر ان جماعہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔ **لو تمکنت عملت بطول اشهر کل یوم مولداَ** یعنی اگر مجھ کو مقدور ہوتا مہینہ بھر تک ہر روز میلا د شریف کیا کرتا۔

اور اصل تحقیق اس میں یہ ہے کہ نصوص قرآنی مطلق ہیں

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (سورۃ ال عمران، ۱۰۳)

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (سورۃ یونس، ۵۷)

وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ (سورۃ النحل، ۱۱۴)

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ (سورۃ الضحیٰ، ۱۱)

پس شکر یہ نعمت وجود با جود رحمۃ للعالمین کا ہم پر فرض ہوا اور اسی طرح فرحت کا بھی حکم ہوا کہ رحمت خداوندی پر فرحت و سرور کرو اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شکر یہ اور فرحت کو موقت نہیں فرمایا بنائً علیہ آپ کی ولادت کا فرحت و سرور دائمی ہوا۔ اسی واسطے جمیع اہل اسلام بلاد اسلامیہ میں شرقاً وغرباً بارہ مہینہ میں جب کسی سے بن پڑے مولد شریف کرتے ہیں۔ اور علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ فرضیت امر الٰہی کسی فرد میں پائی جانے سے ادا ہو جاتی ہے خواہ کتنا ہی قلیل ہو لیکن قدر مفروض شروع سے زیادہ کرنا تکمیل فرض کیلئے جہاں تک بوجہ شروع ہو سکے مستحب ہے اور مطلوب ہے۔ جب یہ بات ہو چکی تو ثابت ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مسعود کا شکر یہ دائمی ہے جب ہو سکے اور جس طریقہ سے ہو سکے عمل میں لائے خواہ اطعام طعام یا تقسیم شیرینی

در بیاں اہل اسلام خواہ قراۃ ومعجزات کا بیان خواہ انشاد مدائح ومناقب سیّد الانس و لجان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہیأت اداب وتعظیم خواہ ان تمام کو جمع کردے پھر مہینہ ربیع الاول کی ۱۲ کو ہو یا باقی ایام میں سب جائز ہے۔اس تقریر سے مطلق کے سب فرد جائز رہے اور اگر کوئی ذکر نعمۃ اللہ بلا قید کرے وہ بھی جائز ہے۔اور جو مقید بقیود اداب مستحسنات جن کا ذکر آئے گا انشاءاللہ تعالیٰ کرے وہ بھی جائز بلکہ مستحسن ہے ۔ اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بموجب فرمان رب العالمین توقروہ جس قدر اداب مستحسنہ مجلس ہوں اس قدر برکات وفیوضات زیادہ ہوں گے۔اسی واسطے علماء اسلام نے اس مجلس کی تعظیم واحترام،زیب واحتشام کو زیادہ ملحوظ رکھا۔

اداب عشرہ مذکورہ چونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توقیر واحترام کے وسائل ہیں اور نیز فرحت و سرور مولد کے ذرائع ہیں اور اصل توقیر وفرحت، ماموربہ ومشروع بالنص ہیں لہٰذا ان تمام آداب کا حکم وہی ہوگا جو اصل کا حکم ہے **لان للوسائل حکم المقاصد کمافی کتب الاصول**۔اور نیز ان میں سے کوئی ایسا امر نہیں جو ممنوع شرعی ہو بلکہ سب کے فی نفسہا کار خیر ہیں اور قرآن شریف میں ہے **وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون** یعنی نیک کام کیا کروتا کہ خلاصی پاؤ اور دوسری جگہ میں ہے **وَمَا یَفْعَلُوا مِنْ خَیْرٍ فَلَن یُکْفَرُوہُ** (سورۃ ال عمران،۱۱۵) یعنی جو نیک کام کرے اس کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔تو آداب مذکورہ کا مجموعی ثبوت ان ہر دو آیات سے ثابت ہوگیا۔

اب اگر انفرادی ثبوت لینا چاہتے ہیں توسن لیجئے ذکر ولادت یہ تو خود ثابت الاصل ہے جس کی تفصیل پہلے ہوچکی فروش واستعمال عطریات وتقسیم شرینی یہ خاطرداری وضیافت مہمانوں کی ہے صحیح مسلم و بخاری کی حدیث ہے **من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ** یعنی جس کا اللہ تعالیٰ اور قیامت کے ساتھ ایمان ہے تو گھر آئے کی خاطرداری وتواضع کرے۔فرش زیبا پران کو بٹھانا عطر لگانا مہمانوں کی تعظیم واکرام ہے اور شیرینی وغیرہ ان کو کھلانا یہ ضیافت ہے۔ضیافت میں یہ ضرور نہیں کہ پیٹ بھر کر کھلائے بلکہ ماحضر پیش کردینے سے بھی سنت ادا ہوجاتی ہے۔غرض اس سے تطیب القلوب ہے جس طرح بھی ہو منبر یا چوکی اور اشعار کا ثبوت یہ ہے کہ مسجد نبوی میں

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہو کر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے اشعار پڑھتے تھے۔ یہ حدیث بخاری میں ہے اور آپ اس سے خوش ہو کر دعا دیتے اور فرماتے تھے **اللھم ایدہ بالروح القدس** خواص وعوام کو دعوت دے کر بلانا اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تناول ماحضر کے لیے ہو۔ یہ تو خود سنت متوارہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اس لیے بلایا جائے کہ اگر سیرت و صفات سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سنیں یہ بھی سنت ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کو دعوت دے کر بلاتے اور ارشادات سناتے چونکہ آپ کے ارشادات حدیث ہیں لہٰذا اجتماع بالسماع حدیث مسنون ہوا۔

علاوہ بریں ان تمام آداب مذکورہ کے ثبوت میں یہ آیت شریفہ بھی کافی ہے۔ **قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیَ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الْطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ** (سورۃ الاعراف، ۳۲) یعنی آپ فرما دیں کسی نے حرام کردیا اللہ کے رزق کو جو پیدا کیا اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی۔

یہاں جو ہے ایک قاعدہ مسلمہ عند الصولیین ومفسرین یاد آ گیا وہ یہ ہے کہ آیت کا شان نزول کچھ بھی ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے۔ **العبرۃ لعموم الالفاظ لالخلوص السبب** یہ قاعدہ تمام آیات پیش کردہ ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے اس کی وجہ علامہ بیضاوی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے: **وفیه دلیل علیٰ ان لا وصل فی المطاعم والماکل والملالین وانواع التجملات الایة بناء علیه** یہ سب چیزیں ارزوئے قواعد اصول وحسب تصریح مفسرین فحول جائز ومباح ہوئیں۔ کیونکہ فروش بچھانا اور محفل کا سجانا اور عطریات سے لباس بسانا چوکی اور منبر ومسند لگانا یہ سب زینت اللہ میں داخل ہیں اور جو کہ حاضرین کو کھلایا جاتا ہے خواہ مٹھائی ہو یا کھجوریں یا کھانا ان سب کو لفظ طیبات من الرزق شامل ہے اور جو شخص ایسی چیزوں کو حرام کہے اس کے بارے میں احکم الحاکمین کا یہ ارشاد نازل ہوا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لاَ تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (سورۃ المائدہ، ۸۷) یعنی اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ ستھری ان چیزوں کو جو

حلال کی ہیں اللہ نے تمہارے واسطے اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ نہیں چاہتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو

جب آداب مذکورہ کا جواز فرادی فرادی جائز ہو گیا تو ان کے اجتماع میں کون ساز ہر مل جاتا ہو جو وہ ناجائز ہو۔ مثلاً روٹی پکائی جاتی ہے اور اس میں آٹا ہوتا ہے اور پانی اور نمک ڈالا جاتا ہے۔ اگر یہ تمام چیزیں حلال ہوں تو روٹی کو کون حرام کہے گا۔ ہاں اگر شرعی ممانعت آجائے تو اسے ممنوع قرار دیا جائے گا۔ بغیر ممانعت شرعی صرف اجتماع مباح ہے حرام نہ ہو گی۔

جیسا کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں کہا ہے:

فان افراد المباحات اذا اجتمعت کان ذلک المجموع مباحاً و بما انضم مباح لم یحرم الا اذا تضمن المجموع محظورا لا تضمنہ الاحاد انتہیٰ

یعنی اگر مباح افراد جمع ہو جائیں تو ان کا مجموع بھی مباح ہوگا اور ایک مباح کیا تھا دوسرا مباح مل جانے سے حرام نہیں ہوتا جہاں تک ان کا مجموع کسی ممنوع شرعی کا متضمن نہ ہو جو افراد میں وہ ممنوع نہیں تھا۔

بناعلیہ مجتمع ہونے مباحات و مستحسنات سے یہ محفل مقدس ممنوع نہ ہو گی۔

رہا قیام یعنی حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین موقعہ ذکر وولادت باسعادت کے فوراً بیتابانہ و والہانہ کھڑا ہو جانا جس کو مخالفین دیکھ یا سن کر بڑے بگڑتے ہیں چیختے ہیں چلاتے ہیں۔ دھارو دہائی مچاتے ہیں۔ کفر و شرک کر کے فتویٰ لگاتے ہیں۔

اگر توقیر محبوب الٰہی کفر ہوتا   تو اپنا کفر دیتا جا میرا ایمان لیتا جا

خیر ان کے لغویات کو تنقید تو انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں کی جائے گی۔ اب اس کے جواز و استحسان کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجرد قیام بلا انضمام رکوع و سجود کے کوئی عبادت نہیں جو مخصوص لغات الٰہی ہو جیسا کہ تفسیر عزیزی پارہ الٓمٓ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے درحقیقت چیز کہ نماز را

ازغیر نماز تمیز پیدا کند ہمیں دو فعل رکوع و سجود اند۔ قیام اختصاص بنماز بلکہ بعبادتے ہم ندارد۔ اور کبیری شرح منیہ میں علامہ حلبی نے لکھا ہے **والقیام لم یشرح عبادۃ وحدہ ذلک لان السجود غایۃ الخضوع حتی نو سجد لغیر اللّٰہ یکفر بخلاف القیام۔** ان دونوں شہادتوں سے ثابت ہوا کہ صرف قیام عبادت نہیں جو مخصوص لغایۃ تعالیٰ ہو۔ تو اس کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنے سے کفر ہوگا شرک بھی جائز نہیں نہیں بلکہ مستحب و مندوب بھی۔ اور اس قیام مندوب کی شرع شریف میں بہت صورتیں ہیں جن کی تفصیل مختصراً عرض ہے۔

(اوّل) کسی آنے والے کی تعظیم و احترام کے لیے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے۔ حدیث متفق علیہ **قوموا الی سیدکم** اور حدیث ابی داؤد جس کا مختصر مفاد یہ ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھ کر اس کو چومتے اور اپنی جگہ میں بٹھلاتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے گھر میں تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی کھڑ ہو جاتی تھی۔ یہ دونوں حدیثیں اس مدعا پر اصل دلیل ہیں۔ علاوہ برایں فقہا حنفیہ نے بھی اس کی تصریح کر دی ہے درالمختار للشامی جلد ۵ ص ۲۵۴ میں ہے **وفی الوھبایۃ یجوز بل یندب القیام تعظیماً للتصادم انتھا**

(دوم) جب کوئی اپنا پیشوا مجلس اٹھے اس کی محبت میں تعظیماً کھڑا ہو جانا۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں بیہقی کی حدیث بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رویت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں ہم کو حدیث سناتے تھے جب آپ اُٹھتے ہم سب کھڑے ہو جاتے تھے اور جب تک آپ دولت خانہ میں داخل نہ ہو جاتے اس وقت تک ہم کھڑے رہتے تھے۔

ندائے غائبانہ

نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم

گو اس مسئلہ کی تحقیق کما حقہ علماء کرام کثر اللہ تعالیٰ امثالھم نے اپنی تصنیفات میں بخوبی کر کے اس فریضہ سے سبکدوشی حاصل کر لی ہے۔مگر چونکہ اس موضوع پر کوئی مستقل رسالہ جیسا کہ باقی مسائل متنازعہ فیہا میں تصنیف ہو چکے ہیں مرتب نہیں ہوا حالانکہ زمانہ حال کے ملاحدہ ملاعنہ نے تکفیر مسلمانانِ عالم کے لیے نداء غائبانہ کو نہایت زہریلا اور خطرناک حربہ قرار دے رکھا ہے جس پر ان کے ناپاک مذہب کا دارومدار ہے ازیں وجہ یہ رسالہ تحریر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

نداغائبانہ کا معنیٰ ہے غائب کو پکارنا۔یا کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگئی جیسا کہ ان ملاحدہ کی تصنیفات میں موجود ہے ملاحظہ ہو فتوی فضول لاثانی وغیرہ۔اور اس نداء غائبانہ کو اسی فتویٰ کے اسی صفحہ وسطر میں ان ملاحدہ نے شرک وکفر قرار دیا ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ نداء غائبانہ مخصوص بذات الٰہی جل جلالہ ہے یعنی دور سے اگر پکارا جائے تو صرف اللہ ہی کو پکارا جائے دیگر کسی کو اگر دور سے پکارا گیا تو شرک وکفر ہوگا۔اب ان سے ہمیں پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ کیا تمہارا خدا غائب ہے یا دور ہے ہمارا بلکہ تمام ملکوت السموات والارض کا پروردگار عالم خالق الکل جل جلالہ تو قرآن پاک میں فرماتا ہیونَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ◆ (سورۃ ق،۱۶) **وھو معکم اینما کنتتم۔ان اللہ معنا** اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں **انکم لاتدعون غائبا و لا اصم** (فتوی فضول لاثانی،ص۹۔۸)

جن سے ثابت ہے کہ پرودگار عالم جل جلالہ نہ غائب ہے نہ دور اب اگر ان ملاحدہ کا خدا کوئی اور ہے تو جھگڑا ختم اور اگر وہی پرودگار ان کا بھی خدا ہے تو اس کو غائب یا دور قرار دینا نصوص قطعیہ یعنی قرآن وحدیث کا صریح انکار ہے۔شرح عقائد وغیرہ کتب کلام میں ہے **ورد النصوص بان ینکر الاحکام التی دلت علیہ النصوص۔۔۔کفر۔**

الحاصل نداغائبانہ نہ شرک ہے اور نہ کفر کیونکہ شرک کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی شخص کو الوہیت یعنی

وجوب الوجود میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا جیسا کہ مجوس یا کسی شخص کو مستحق عبادت سمجھنا جیسا کہ بت پرست شرح عقائد نسفیہ میں ہے **الاشراک هو اثبات الشريک فی الالوهية بمعنى وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة کما لعبدة الاصنام**

(شرح عقائد نسفیہ ص ٦١)

اور ظاہر ہے کہ جو شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلفظ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اولیاء کرام کو خواہ بقید حیاۃ ہوں یا مقبور نزدیک ہوں یا دور ان کا نام لے کر بحرف یا پکارتا ہے تو انکو نہ واجب الوجود قرار دیتا ہے اور نہ ہی ان کو معبود بلکہ بغرض استمداد و استشفاع و توسل پکارا جاتا ہے۔ اور یہ بھی مستغنی عین البیان ہے کہ سائل مسؤل عنہ سے اسی چیز کا سوال کرتا ہے جو اس کے اختیار میں ہو اور مقربان الٰہی کے اختیار میں صرف توسل اور شفاعت ہے نہ انجاح مرام کیونکہ وہ قبضہ قدرت کاملہ میں ہے اس میں کسی نبی یا ولی وا غیرھما کی کوئی شرکت نہیں ہے

باقی رہا اس ندا کو منادی تک پہنچانا اور اس کا سن لینا سو یہ نہ منادی کے اختیار میں ہے اور نہ ہی منادی کے اختیار میں بلکہ **فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ** ٥ (سورۃ بروج، ١٦) جل وعلا شانہ کے قبضہ قدرت میں ہے قرآن شریف میں ہے **إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ** ٥ (سورۃ فاطر، ٢٢) بس اگر وہ نہ سنوائے تو نزدیک بیٹھا ہوا بھی نہیں سن سکتا اور اگر سنوا دینا چاہے تو دور کو سنوا دیتا ہے۔ ہاں البتہ ہوا متکفیہ بالصوت عادۃً اسی آواز کو سامع کے کانوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ لیکن قدرت اس عادت سے بالاتر ہے۔

اگر قدرت چاہے تو ہوا بھی بے کار ہوجاتی ہے اور اگر قدرت چاہے تو ہوا کی ضرورت کیا ہے نمونہ طور ہم اہلِ قبور کا زائرین کے سلام کو سننا اور جواب دینا جو صحیح احادیث سے ثابت ہے جہاں سینکڑے من مٹی کے حائل ہوں پیش کرتے ہیں یہاں تو ہوا کا نفوذ بھی ناممکن لیکن سماع موجود ۔ثانیاً نداء غائبانہ کی ممانعت نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں بلکہ ان ملاحدہ کا خود تراشیدہ تصنیف ہے۔ اگر کسی آیت یا حدیث میں نداء غائبانہ کی ممانعت ہے تو پیش کریں فلیا

توابھا ان کانو صادقین مگر کہاں سے لائیں نداء غائبانہ کا لفظ تو تراش لیا مگر آیت اور حدیث کس طرح تراش سکتے ہیں۔ البتہ آیات کے معانی کو تحریف کر کے ان میں خود تراشیدہ مضامین داخل کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے لیکن یہ داؤ صرف انکے چیلوں چاٹوں تک محدود رہے گا مسلمانان عالم ان فریب اور مکائد سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں ان کی دام تزویر میں پھنسنے کے نہیں

قرآن شریف میں نداء غائبانہ کی ممانعت تو کہیں آئی نہیں بلکہ دونوں قسم نداء یعنی حاضر و غائبانہ کے جواز کا ثبوت البتہ موجود۔ حاضرانہ مثلا وَ نَادٰی نُوحُ ابۡنَهٗ ٭ (سورۃ ھود، ۴۲) وغیر ذلک اور غائبانہ وَأَذِّن فِیۡ النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَأۡتُوکَ رِجَالاً وَعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَأۡتِیۡنَ مِن کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ٭ (سورۃ الحج، ۲۷) جسکی تفصیل عنقریب آئیگی انشاءاللہ تعالیٰ۔ ہاں دعا کا لفظ قرآن شریف میں متعدد مواقع پر بکثرت وارد ہے لیکن اس کے معانی بھی متعدد (۱) عبادت یعنی بندگی کرنا (۲) خواندن یعنی بلانا (۳) خواستن یعنی کسی سے کچھ مانگنا۔ جن جن مواقع میں یہ الفاظ وارد ہے وہاں ان تینوں معنوں میں سے جو معنیٰ سیاق وسباق کے مطابق ہو اور علماء تفسیر نے اس معنی کا تعیین کر دیا ہو وہی معنیٰ مراد ہوگا نہ یہ کہ ہر جگہ ایک معنیٰ لیا جائے جیسا کہ ملاحدہ کی چال ہے مثلاً آیت سورۃ جن وَأَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ یَدۡعُوہ ٭ (سورۃ جن، ۱۹) یعنی یعبدہ و یقرء القران تفسیر خازن و مدارک التنزیل یہاں دعا بمعنی عبادت کے ہے اور سورۃ فاطر میں إِن تَدۡعُوھُمۡ لَا یَسۡمَعُوا دُعَاءَ کُمۡ ٭ (سورۃ فاطر، ۱۴) یہاں دعا بمعنیٰ پکارنے کے ہے بقرینہ لا یسمعوا کیونکہ سماع پکارنے پر دلالت کرتا ہے

علیٰ ہذا القیاس تمام قرآن شریف میں جس جگہ دعا کا لفظ ہے ان تینوں معنوں میں ہے جو معنی مناسب سیاق کلام کے ہو وہی مراد ہوگا اب اس لفظ دعا کے استناد لغیر اللہ میں تفضیل ہے یعنی دعا بمعنی عبادت لغیر اللہ قطعاً حرام بلکہ کفر وشرک اور دعا کے دوسروں معنوں یعنی بلانا اور مانگنا میں بھی تفصیل ہے یعنی اگر مدعو عند اللہ مذموم ہستی ہے جیسا کہ بت وآگ و پانی وغیرہ معبودان باطلہ تو ان

کو نہ کسی حاجت براری کے لیے بلانا جائز ہے اور نہ ہی ان سے حاجت کا مانگنا بلکہ یہ بھی قطعاً حرام وکفر وشرک اور قرآن شریف میں جس قدر آیات غیر اللہ کو پکارنے یا دعا مانگنے کی ممانعت آتی ہے۔ ان تمام آیات کا محمل یہی معبودان باطلہ ہیں جیسا کہ تمام سیر معتبر و **هم عن دعائهم غافلون** میں **هم** کا مرجع اصنام بتاتے ہیں۔ اور اگر مدعو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ومحترم ہستی ہے مثلاً انبیاؑ شہدا و اولیا تو اس میں بھی تفصیل ہے اگر ان حضرات کو مستقل متصرف الامور قرار دے کر دور یا نزدیک سے پکارے یا اسی نیت سے ادنیٰ حاجت براری طلب کرے تو بھی شرک ہے کیونکہ فعال مطلق ذات پاک الٰہی جل لجلالہ ہے اس میں کسی کی شرکت نہیں۔ اور اگر ان حضرات کو اپنی حاجت براری کے لیے جناب الٰہیٰ میں وسیلہ قرار دے کر جناب میں خود عرض کرے ان سے جناب باری عز اسمہ کے دربار میں انجاح مرام کے لیے عرضی درخواست کرے خواہ حاضرانہ ہو یا غائبانہ بہر کیف جائز ومشروع نہ اسمیں شرک ہے اور نہ کفر جیسا کہ آیت شریفہ **وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُواْ اللّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواْ اللّهَ تَوَّاباً رَّحِيماً ٥** (سورۃ نساء، ۶۴) اس بارہ میں نص صریح ہے اور احادیث صحیحہ اس کی تائید میں متفق و منطبق ہیں۔ غرض جہاں نداء یا دعا نہ جائز ہے تو وہاں مطلقاً ناجائز ہے خواہ حاضرانہ ہو یا غائبانہ اور جہاں جائز ہے وہاں بھی الاطلاق جائز حاضرانہ غائبانہ کا کوئی فرق نہیں۔

غضب تو یہ ہے کہ یہ بے ہودہ گستاخ پارٹی مقربان بارگاہِ الٰہی کو بتوں کے برابر قرار دے کر جو آیات بتوں کے حق میں نازل ہوئیں ان کو انبیاء کرام واولیاء عظام پر محمول کرتے ہیں حالانکہ انبیاء کرام کے اوصاف حمیدہ قرآن شریف میں جا بجا مذکور ہیں اور اولیاء اللہ کے شان میں **أَلا إِنَّ أَوْلِيَاء اللّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ ٥** (سورۃ یونس، ۶۲) موجود ہے غرض جس کام کو قدرت سرانجام کرنا چاہئے بہر کیف کر گزرتی ہے خواہ عادت کے مطابق یا خرقِ عادت۔ اور امور میں خرقِ عادت کا ظہور انبیاء کرام سے بطریق معجزہ اور اولیاء عظام سے بطریق کرامت امر یقینی وقطعی ہے اس کا انکار شمس نصف النہار کے انکار کے مترادف ہے نص قرآنی واحادیث رسول

ربانی اس کے بالاتفاق مثبت اور علماء اہلِ سنت بلا اختلاف اس کے قائل۔ بنائً علیہ جو دردرسیدہ دور سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی ولیِ کامل کی جناب میں محض قدرت کاملہ کے بھروسہ پر استغاثہ یا استمداد کرے تو اس میں نہ کفر ہے نہ شرک بلکہ ایسے استغاثہ کو مستغاثہ کی جناب میں پہنچا دینا بطریق خرق العادۃ قدرت کا ادنی کرشمہ ہے۔ شرح برزخ میں ہے وروی فی الاخبار ان **الانسان اذا صعب علیہ امر فینادی ولیاً من اولیاء اللہ تعالیٰ فان کان حیاًیسمعہ الریح فی طرفہ عین اویعلم بالکشف و صفاء القلب و ان کان میتاً فیسمعہ الملئکۃ فیعین لہ با شفاعۃ عند اللہ تعالیٰ و علیہ المشائخ انتھی** (شرح برزخ، وجیز الصراط، ص ۱۰۴)۔۔۔اور یہ خرقِ عادت یعنی نداء غائبانہ منادی تک پہنچ جانا کبھی منادی کی کرامت سے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی منادی کی عظمت کی وجہ سے جیسا کہ نظائر آیت سے ظاہر ہوجائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اب ہم اس موضوع یعنی نداء غائبانہ کے جواز پر واقعاتی شہادت پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوجائے گا کہ نداء غائبانہ امر مستحدث نہیں بلکہ عہدِ قدیم سے آجتک بلانکیر مجوز بلکہ مروج چلا آتا ہے اور اس کے برکات سے خلق کثیر مستفیض و مستفید ہوتی رہی ہے چونکہ کلام کے دونوں طریقوں یعنی نظم ونثر سے اس نداء غائبانہ کا استعمال جاری رہا ہے اسی واسطے دونوں طریقوں کے نظائر ذکر کردینے دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

لیکن چونکہ منکرین کا زیادہ ترحملہ کلمہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے جو جب بھی یہ متبرک کلمہ کسی مجلس میں ان کے سامنے استعمال کیا جائے تو ان بدبختوں کو بندوق کی گولی کیطرح لگ جاتا ہے جس سے بے تحاشا شور مچا دیتے اور قائل کو کفر وشرک کے دریا میں غرق کردینے پر آمادہ ہوجاتے ہیں لہذا دندان شکن جواب دینا سب سے پہلے ضروری ہے۔ جس سے انشاء اللہ تعالیٰ انکے تمام چھکے چھوٹ جائیں گے اور جواب سے لاجواب ہوکر مسکوت ومبہوت زاویہ خاموشی میں بیٹھ جائیں گے۔ حدیث شریف برآیت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ مروی ہے کہ **قال رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **البخیل الذی من ذکرت عندہ فلم یصل علی** (مشکوٰۃ شریف ص،۸۷)

تو جوشخص آپ کا نام لے کر آپکو دور سے پکارے گا درود شریف یا کم از کم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور کہے گا خواہ بلند آواز سے یا آہستہ اگر یہ نہ ہو سکے تو آپ کو نداء بھی نہ کرے ورنہ بخیلوں میں شمار ہو گا۔ یہ ہے نداء غائبانہ کا قاعدہ اب نداء غائبانہ باقاعدہ جس وقت بھی کیا گیا فوراً حضور کی جناب میں بذریعہ ملائکہ متعینہ پہنچ گیا جیسا کہ حدیث شریف بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **قال رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **ان للہ ملئکۃ سیا حین فی الارض یبلغو نی من امتی السلام** (مشکوٰۃ شریف ص۸۶)

اور دوسری حدیث میں ہے **صلو علی فان صلوا تکم تبلغنی حیث کنتم** اور تیسری حدیث کا اخیری فقرہ یہ ہے کہ **و من صلی علی نائیاً اُبلغتہ** (مشکوٰۃ شریف ص۸۷)

ان احادیث صحیحہ کے ما بہ الاشتراک سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ جب ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدس پر صلوٰۃ یا سلام جس صیغہ سے بھی ہو خواہ بحرف نداء یا نہ بہر صورت ملائکہ متعینہ اس کو جناب کے دربار عالیہ میں فوراً پہنچا دیتے ہیں کسی قسم کا شبہ نہیں

گذشتہ تین چار سال کا ذکر ہے کہ جب شیر وہابیان پنجاب مولوی ثناء اللہ امرتسری پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور وہ اس حملہ کے اثر سے بالکل محفوظ رہا جو کوئی چوٹ بھی اس کے بدن پر نہ آئی تو اطراف سے اس کے بہی خواہاں نے نظم ونثر میں بہت مبارکبادی کی رسم ادا کی جس میں خطاب اور نداء غائبانہ بکثرت تھے تو شیر وہابیان نے علماء وقت کے مواخذہ سے اس طرح مخلصی حاصل کی کہ جب خطاب ونداء غائبانہ کے خطوط ڈاک میں ڈالے گئے اور خطوط میرے پاس پہنچ گئے تو نہ وہ نداء غائبانہ رہا اور نہ خطاب غائبانہ اس میں نہ کفر رہا اور نہ شرک تعجب کا مقام ہے کہ انگریزی ڈاک اور اس کے اہل کاروں پر تو اس قدر اعتبار ہے کہ مجرد خطوط ڈالنے کے مواخذہ سے بچ گئے۔ اور خدائی اہل کار جن کے حق میں رب العلمین کا ارشاد ہے **و لا یعصون اللہ ما امرھم** پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ یہ ہے انکی ایمانداری کا خاکہ یعنی جو شخص دور سے مولوی ثناء اللہ کو نداء یا خطاب کرے وہ تو موحد مسلماں اور جو شخص سرور عالم رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دور سے ندا یا خطاب کرے وہ

کافر و مشرک ۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا

اور بتوں کے بارے میں انکم و ما تعبدون حصب جھنم وارد ہے ۔ اب اس قدر تفاوت مراتب کے ہوتے ہوئے مساوی قرار دینا کس قدر بے انصافی و عیاری ہے۔

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی:

حالانہ خود جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا يَسْتَوِىْ الْأَعْمَى وَالْبَصِيْرُ ٥ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ٥ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ٥ وَمَا يَسْتَوِىْ الْأَحْيَاء وَلَا الْأَمْوَاتُ ٥ (سورۃ فاطر،١٩۔٢٢) واللہ الھادی ثالثاً ان ملاحدہ کی نداء غائبانہ کے کفر و شرک ہونے کے لیے بڑی سے بڑی دلیل یہ ہے کہ غائبانہ کرنے سے منادیٰ کو حاضر و ناظر قرار دیا جاتا ہے اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا منجملہ صفات مختصہ باری تعالیٰ کے ہے جب غیر کے لیے ثابت کیا گیا تو صریح شرک و کفر ہوگا اس کے جواب میں ہم لکھتے ہیں کہ اسماء الٰہی جس طرح توقیفیہ ہیں اس طرح صفات باری تعالیٰ مختصہ بھی توقیفیہ ہیں اور حاضر و ناظر نہ اسماء حسنیٰ میں داخل ہیں اور نہ صفات مختصہ میں صفات مختصہ کہنا دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ اسی وجہ سے بعض فقہاء جناب باری تعالیٰ کو یا حاضر یا ناظر کہنا کفر کہتے ہیں جیسا کہ دارالمختار میں موجود ہے اور شامی نے بعیدہ تاویلیں کر کے اس کفر کو ہٹایا مگر کفر کے ہٹ جانے سے اصل معاملہ کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا۔ جب تک دلیل مستقل نہ پائی جائے۔ و این الدلیل تو جب اتصاف ذات باری جل ذکرہ بوصف حاضر و ناظر غیر متحقق ہے تو ان کو صفات مختصہ سے شمار کر کے غیر کے لیے ثابت کرنے سے شرک و کفر کا حکم جڑ دینا بناالفاسد علی الفاسد ہے اور فی الحقیقت بات یہ ہے کہ یہ حاضر ناظر یا کلی و جزوی وغیرہ منجملہ ان الفاظ کے ہیں جنہیں ان ملاحدہ زنادقہ الوقت نے مسلمانانِ عالم کو دھکیل کر کفر کے گڑھے میں ڈالنے کے لئے تراش کئے ہیں ورنہ جو مسلمان خاص ہو یا عام جب ہی اپنی کسی درد کی پکار حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اولیاء کرام کی جناب میں بلفظ یارسول اللہ یا ولی اللہ عرض کرتے رہے تو اسوقت حاضر و ناظر کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو جناب الٰہیٰ جل جلالہ کی

عنایات پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے کہ یہ دردمند نہ پکار ان حضرات کی خدمت میں ضرور پہنچ جائے گی ا ور فی الواقع اس میں وہ لوگ حق بجانب بھی ہیں کیونکہ حدیث قدسی بروایات ثقات مروی ہے بلفظ لا یزال یتقرب الی العبد بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ و بصرہ و یدہ رجلہ و لسانہ فبی یسمع و بی یبصر و بی یبطش و بی یمشی و بی ینطق جب مقربان بارگاہ الٰہی کی یہ حالت ہوئی کہ بوجہ کثرت عبادات کے فانی ہوکر باقی بہ بقا الٰہی ہوجاتے ہیں تو ان کے تمام افعال جو اعضاء ظاہری کے متعلق تھے سب اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتے ہیں۔ تو نداء غائبانہ سن لینا بھی اسی قبیلہ سے ہوگا۔

حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی جب اس بے ہودہ فرقہ کے کفر و شرک کا طمطراق دیکھا جاتا ہے بات بات میں شرک اور کفر جڑ دینا انکا مذاق ہے۔ اسلام کے احاطہ کے یہ واحد ٹھیکہ دار ہیں کس کو داخل یا خارج کرنا انہیں کے ہاتھ میں ہے جو شخص ان کا ہم عقیدہ ہوا اس کو داخل کر دیتے ہیں خواہ وہ اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہ رکھتا ہو اور جو مسلمان ان کے عقائد باطلہ کے برخلاف ہوا گرچہ فی نفسہٖ پکا موحد متقی بھی ہو اس کے بازو سے پکڑ کر احاطہ اسلام سے باہر کر دیتے ہیں عوام مسلمانوں کو اپنے پھندے میں پھنسانے کے لیے بے شمار دام تزویر تیاری کیے ہیں منجملہ ان کے نداء غائبانہ سے حاضر و ناظر گھڑ لیا اور پھر حاضر و ناظر کو مختص بذاتِ الٰہی قرار دے کر ایسے منادی کو کفر و شرک کے رسا سے باندھ لیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ملک الموت یعنی عزرائیل علیہ السلام جس کی نسبت قرآن شریف سورۃ سجدہ میں ارشاد ہے قُلْ یَتَوَفّٰکُم مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ٥ (سورۃ سجدہ، ۱۱) کو یہ بدمذہب فرقہ اپنا خدا کیوں نہیں مانتے حالانکہ تمام تفاسیر اس امر پر منطبق ہیں کہ تمام ذی روح کے ارواح کو وہی قبض کرتا ہے اور جمیع اکناف عالم پر اس کی ہر وقت نظر رہتی ہے مشرق سے مغرب تک جنوب سے شمال تک ایک آن میں مختلف مقامات پر پہنچ کر بلا تاخیر اجل مقررہ پورا ہونے سے فوراً روح خود قبض کرتا ہے اور پھر اعوان کے حوالے کر دیتا ہے تمام دنیا اس کی نظر میں ہتھیلی کی طرح ہے قال ابنِ عباس رضی اللہ عنہ ان خطوط ملک الموت ما بین

المشرق و المغرب وقال المجاہد جعلت له الارض مثل الطشت یتنا و ل منها حیث یشاء
(تفسیر خازن)

اور سنیے مولانا جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ می فرمودہ کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ می گفتند کہ زمین مدِنظر ایں طائفہ چوں ذرہ است وما بگویم چوں روئے ناخن اشت ہیچ چیز از نظر یشاں غائب نیست (وسیلہ جلیلہ، ص ۱۷۷)

جب اولیاء کو یہ منصب حاصل ہے تو نداء غائبانہ یا حاضر و ناظر کیوجہ سے تکفیر کہاں گئی۔ اب واقعاتی شہادات پیش کیے جاتے ہیں جن سے ناظرین کو تسلی کرنے میں دقت نہ ہو اور چونکہ اس شہادت کے دو پہلو ہیں نظم ونثر لہذا دونوں کا ذکر کرنا مناسب ہے۔ پہلے نثر کو لیتے ہیں بعدہ انشاء اللہ تعالیٰ نداء غائبانہ منظوم کا ذکر ہوگا۔ ان شہادات کو نظائر سے تعبیر کیا جائے گا

نظیر اول:

التحیات جو ہر نماز لیلی ہو یا نہاری، نفلی ہو یا فرضی، سنت ہو یا واجب میں کہیں ایک دفعہ اور کہیں دو بار ضرور پڑھا جاتا ہے بلکہ نماز کا خاتمہ اسی پر ہوتا ہے کوئی نماز نہیں جو اس کے بغیر ادا کی جاتی ہو اس میں السلام علیک ایھا النبی جو کہ خطاب اور نداء پر مشتمل ہے موجود حالانکہ یہ دونوں چیزیں یعنی نداء وخطاب حاضر سے مخصوص ہیں گو التحیات کے باقی الفاظ میں روایات کا اختلاف ہے جیسا کہ صحیحین میں بروایت عبد اللہ بن مسعود یہی الفاظ ہیں جو مذہب حنفیہ میں مروج و مستعمل ہیں اور صحیح مسلم میں بعض الفاظ مغائیر اور نسائی میں تفاوتِ یسیر کے ساتھ وارد ہیں۔ لیکن اس کلام یعنی **السلام علیک ایھا النبی** میں ہرگز نہ کوئی تغیر ہے نہ اختلاف بلکہ تمام روایات میں یہ کلام موجود اور حضرت عبد اللہ بن عباس و جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں یہ الفاظ التحیات اس طرح پڑھاتے تھے جیسا کہ قرآن شیرف کی سورہ پڑھاتے تھے۔ حنفیہ کی منیۃ المصلی سے لے کر جس قدر کتب فقہیہ ہیں تمام اسی التحیات کے وجوب کے قائل اور احادیث کا تو کوئی اندازہ بھی نہیں ۔ یہاں خطاب بھی موجود اور نداء بھی خطاب

کے لیے تو کاف لفظ مذکور اور ندا کا حرف گو لفظاً مخذوف ہے جیسا کہ **یُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَـٰذَا** • (سورۃ سجدہ، ۱۱) و ایھا الرجل (کافیہ) لیکن نیۃ موجود۔۔۔۔اور ظاہر ہے کہ ندا اور خطاب یہ دونوں حاضر سے مخصوص غائب کو نہ نداء کیا جاتا ہے اور نہ ہی خطاب تو اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ کو حاضر و ناضر قرار دے کر خطاب و نداء کیا جائے۔اب اگر حاضر ناضر قرار دینا کفر و شرک ہوتا تو نماز جیسی رأس العبادات میں اسکا استعمال ہر گز روا نہ رکھا جاتا حالانکہ ائمہ مجتہدین مذاہب اربعہ و اتباع ایشاں و علماء محدثین و فقہا محققین میں سے کسی سے بھی منقول نہیں کہ یہ الفاظ شرکیہ ہیں نماز تو بجائے خود خارج از نماز بھی ان کا استعمال کفر یا شرک ہے۔اب یہاں منکرین ملحدین مذبوحی حرکت کی طرح والہانہ چند شبہات پیش کرتے ہیں ان کا جواب بھی سن لیجئے۔

شبہ اول:

کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد خطاب کو ترک کر کے **السلام علی النبی** کہا کرتے تھے اگر آپ کو حاضر ناظر جانتے تو خطاب کو کیوں ترک کرتے اب اس کا جواب اولاً یہ کہ یہ روایت دوسری روایات کے مخالف ہے اور روایت شاذہ بہ نسبت روایات مشہورہ کے متروک ہوتی ہے جیسا کہ علامہ قسطلانی نے اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے **وفیہ ان هذه الروایة مخالفة للروایات الاخر فانها لیس فیها هذا لحرف**۔ ثانیاً اس تغییر کے لیے نہ آپ نے حکم دیا ہے اور نہ صحابہ نے اس کو قبول کیا ہے جیسا کہ مولانا عبد الحلیم لکھنوی نے رسالہ نور الایمان بزیارت اثار حبیب الرحمان میں لکھا ہے اور علامہ قسطلانی لکھتے ہیں **علی ان هذا التغییر لیس من تعلیم النبی** صلی اللہ علیہ والہ وسلم **حیث قال ابنِ مسعود** رضی اللہ عنہ **قلنا السلام علی النبی**۔

ثالثاً حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حین حیات اس تغیر کا حکم نہ ہوا اور نہ ہی حضرت ابنِ مسعود نے اس خطاب کے چھوڑنے کا مشورہ دیا حالانکہ اس وقت تمام نمازی ہر نماز میں حضور کے سامنے نہیں ہوتے تھے بلکہ سیکڑوں کوسوں دور و سفر دراز میں ہوتے وقت بھی اس تشبیہ میں خطاب کو معمول

رکھتے۔بس اسی قدر سے ہمارا مدعا حاصل۔

شبہ دوم:

کہتے ہیں کہ یہ خطاب ونداء بغرض اسماع نہیں بلکہ بطور اخبار وحکایۃً واقعہ مراجعیہ کے ہے یعنی یہی الفاظ معراج کے موقعہ پر استعمال کیے گئے تھے اب نماز میں وہی الفاظ بطور حکایۃً و اخبار پڑھے جاتے ہیں ان سے انشاء وسلام ہرگز مقصود نہیں اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز میں کسی شخص کو نداء یا خطاب کرنا مفسد نماز ہے جیسا کہ کتب فقہ میں صریحاً موجود ہے۔اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ حکایت کے لیے محکی عنہ کا ہونا ضروری ہے ورنہ حکایۃً ناممکن یہاں محکی عنہ یعنی واقعہ معراجیہ کے لیے مکمل ثبوت چاہیے اور ثبوت کے لیے آیت قرآن شریف یا صحیح حدیث مرفوع متصل پیش کرنی چاہیے صرف معراجناموں کے قصوں پر اعتماد نہیں ہوسکتا ۔ یہاں ایک منصف وہابی کا قول نقل کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔مولوی غلام اللہ قصوری جو فاسد العقیدہ ہونے میں ضرب المثل تھا اور اس نے اپنے رسالہ تحقیق المرام میں لکھا ہے کہ ایسا ہی بعض ادعیات حکایۃً ہی ہیں جیسا کہ التحیات کیونکہ اگر حکایت نہ ہو تو التحیات میں نداء وخطاب واقع ہے جیسا کہ **السلام علیک ایھا النبی** اور خطاب حاضر کو ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاضر نہیں بلکہ (نقل کفر کفر نباشد) حیات ہی نہیں اگر اس کو حکایت شب معراج کا پڑھنا مقرر کریں تو اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں ایک خطاب غیر موقعہ دوم **کلام فی الصلوۃ** یہ مفسد صلوۃ ہے اس واسطے علماء نے تصریح کی ہے کہ اس کا پڑھنا حکایۃً ہے اس مسئلہ کو شیخ عبد الحق نے اپنی تصنیفات میں مصرح لکھا ہے۔اس کی تردید میں مولوی عبد الجبار غزنوی امرتسری نے کتاب لکھی ہے جس کا نام تضحیک الانام علی تحقیق المرام ہے گو مولوی صاحب موصوف ہیں تو خاندانی وہابی لیکن متعصب نہیں بلکہ قوۃ دلائل کو دیکھ کر بات مان لیتے ہیں چنانچہ اس کتاب کے ص ۱۵۵ میں قصوری کے قول مذکورہ کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ملا صاحب آپ کو اور شیخ عبد الحق کو کیونکر معلوم ہوا کہ شبِ معراج میں بطور راز و نیاز کے الفاظ التحیات کے پڑھے گئے تھے اور اب تمام امت کو بطور حکایت پڑھنے کا حکم ہے۔

شاید آپ اور شیخ صاحب اردلی میں آنحضرت کے ساتھ گئے ہوں گے چشمدیدہ حال آپ بیان کرتے ہیں ورنہ اس قصہ کی صداقت پر کوئی سند معتبر لائیں مگر اتنا خیال رہے کہ کتب متداولہ اور احادیث کا حوالہ دیا جاوے ورنہ شیخ جیسے متاخرین کا قول سند نہیں ہوسکتا۔ دراصل یہ قصہ بالکل غلط ہے کسی محدث نے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا ایسی بے اصل بات کا نقل کرنا گویا اللہ اور رسول پر بہتان باندھنا ہے پھر لکھتے ہیں کہ ملا صاحب نے کسی معراجنامہ پڑھنے والے سے آپ تو صحاح پر عمل کرنے والے ہیں کسی صحیح سند سے ثابت کیجیئے، نہ ہوسکے تو روایت حسن یا ضعیف ہی لایئے یہ قصہ سن کر نقل کر دیا ہے اور دل میں سمجھ لیا (افواہ خلق نقارہِ خدا) ایسی مشہور بات کی کچھ تو اصل ہوگی صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگونکو قرآن مجید کی طرح التحیات سکھلاتے اور ہم آنحضرت کے ایامِ حیات میں **السلام علیک ایھا النبی** کہتے تھے اور بعد وفات کے السلام علی النبی کہنے لگے بھلا اگر صحابہ کرام بہ سبیل حکایت پڑھتے ہوتے تو کاف خطاب کیوں ترک کرتے نقل میں تصرف جائز نہیں ہوتا۔ باقی جواب یہ ہے کہ جولوگ بعد رحلت حضرت رسالتماب کے السلام علی النبی بغیر کاف خطاب کے پڑھتے تھے ان پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا۔ نہ غائب کو خطاب نہ کلام فی الصلوۃ۔ البتہ یارانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جولوگ بایام قیام دنیا اور نیز بعد از رحلت بملاء اعلیٰ کاف خطاب سے السلام علیک کہتے رہے ان پر آپ معترض ہوسکتے ہیں۔ پس ان کا جواب یہ ہے کہ بے شک نماز میں کلام کرنا منع ہے مگر جہاں اللہ اور رسول کا حکم ہو وہاں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ وہ بولنا ہی عین عبادت ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز میں یا خارج از نماز بوقت درود یا سلام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکماً مخاطب سمجھے تو بے شک جائز ہے ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بحالت خطبہ منبر پر چڑھ کر صحابہ کبار کی ایک جماعت کے روبرو لوگوں کو التحیات پڑھنا بتلایا اور اس میں لفظ السلام علیک سکھلایا یا کسی صحابی نے اس پر انکار نہ فرمایا گویا تمام صحابہ کا اس پر اتفاق واجماع ہوا۔ انتھے مع ادنی اختصار۔ جائے حیرت ہے کہ مکمل وہابی جن کے مذہب کا دائرہ صرف اسی نداء غائبانہ کلام اور

حاضر ناظر جاننے کو کفر و شرک قرار دینا ہے وہ بھی یہاں دلائل قویہ و براہین صریحہ کے محاصر میں آ کر اسلحہ ڈال بیٹھا اور مقام تسلیم میں آ کر صاف اقرار کر دیا کہ حضور کو صلوٰۃ و سلام کے ضمن میں نداء غائبانہ و خطاب بلا شک و ارتیاب جائز ہے خواہ نماز کے اندر ہو یا خارج از نماز بلکہ اس کو اجماع صحابہ جو اعلیٰ قسم کا اجماع ہے جس کا منکر کافر ہو جاتا ہے قرار دے کر قصوری بد مذہب کی مٹی پلید کر دی۔ لیکن یہ ملحد فرقہ جو مذہب حنفیہ میں داخل ہونے کے مدعی ہیں اس کے دلوں پر حضور ﷺ کی عناد و عداوت نے ایسا گھیرا کر رکھا ہے کہ یارسول اللہ ﷺ کہنا تو درکنار سننا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

اور مولوی غزنوی صاحب نے جو آپ کو حکماً مخاطب جائز ہونیکی تقیید لگائی ہے یہ محض اپنے مذہب کی لاج رکھنے اور ہم مذہبوں کی جھاڑ سے بچنے کے لیے ورنہ حضور پاک ﷺ حقیقی مخاطب اور حقیقی منادی بنداء غائبانہ و حاضرانہ ہو سکتے ہیں جیسا کہ علماء اہلِ سنت و الجماعت کا مذہب ہے کہ حضور زندہ بحیات دنیوی حسی ہیں اور ہر جگہ تشریف فرما ہوتے ہیں مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۴۷ میں ہے بدانکہ حیات انبیاء متفق علیہ است میاں علماء ملت و ہیچ کس را خلاف نیست دراں کہ آن کامل تر وقوی تر از وجود حیات شہداء و مقاتلین فی سبیل اللہ است کہ آن معنوی اخروی ست عند اللہ و حیات انبیاء حسی دنیاوی ست و احادیث و اثار دراں واقع شدہ۔۔۔ اور اسی کتاب کے ص ۴۵۵ میں ہے اگر بعد ازاں گویند کہ حق تعالیٰ جسد ارحالتے و قدرتے بخشیدہ است کہ د ہر مکانیکہ خواہد تشریف بخشدہ خواہ بعینہٖ یا بامثال خواہ بر آسمان یا بر زمیں و خواہ در قبر شریف یا غیر وے نیز صورتے دارد با وجود ثبوت نسبت بقبر در ہمہ حال انتہیٰ اور علامہ سیوطی رسالہ تنویر الملک میں لکھتے ہیں فحصل من مجموع ھذہ النقول و الاحادیث ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم حی بجسدہ روحہ و انہ یتصرف و یسسیر حیث شاء فی اقطار الارض و فی الملکوت انتھی۔ (رسالہ تنویر الملک)

مگر یہ غنیمت کہ ایسے خاندانی وہابی سے ایسے الفاظ صادر ہون جو ان کے مذہب کو ھباء منثور

یا چکنا چور کردیں ورنہ علماء اہلِ حق کی تصریحات زائد الحد موجود ثانیاً کتب فقہ حنفی میں بالتصریح مذکور ہے کہ نماز میں الفاظ تشہد کو بقصد انشاء پڑھا جائے نہ بہ نیت اخبار و حکایت جبکہ درالمختار میں ہے **و یقصد بالفاظ التشهد معا نیها مرادة له علی و جه الا نشاء کانه یحی الله تعالیٰ و یسلم علی نبیه و علی نفسه و او لیائه کالا خبار عن ذلک ذکره فی المجتبی** (درالمختار)

اور شامی میں ہے **لا یقصد الا خبار و الحکایة عما و قع فی المعرا ج منه** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **من ربه سبحانه و من لملائکة** انتہی (فتاوی شامی)

اس طرح مراقی الفلاح شرح نورالایضاح ومعراج الدرایۃ ونہر الفائق شرح کنز الدقائق وغیرہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ الحاصل شارع کی جانب سے دو احکام باہم مقابل صادر ہوئے ہیں ایک یہ کہ نماز میں خطاب ونداء بغیر اللہ مفسد نماز ہے یہ حکم عام ہے اور دوسرا یہ کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کے آخری حصہ میں خطاب ونداء کیا جائے یہ خاص بحضور ہے اور علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ جب حکم عام وخاص کا مقابلہ ہو جائے تو عام سے ماسواء خاص کا مراد ہوتا ہے۔ اس قانون کے رو سے حضور پاک کو نہ نداء کرنا مفسد نماز ہے اور نہ ہی خطاب **فحصل التو فیق بحکم نعم الر فیق**۔ ثالثاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ نماز میں آپ کو خطاب کرنا مفسد نماز نہیں جبکہ قسطلانی و زرقانی وغیرہ محدثین لکھتے ہیں کہ آپ کے خصائص کے شمار میں **و منها ان المصلی یخاطبه بقو له السلام علیک ایها النبی و الصلو ة صحیحة و لا یخاطب غیره** جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نمازی نماز میں آپ کو خطاب کرے تو نماز جائز اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کسی دوسروں کو خطاب کرے تو نماز فاسد۔ غرض عہدِ اقدس سے لے کر آج تک تمام صحابہ کرام وفقہا ومحدثین اس امر پر متفق و منطبق چلے آئے ہیں کہ حضور کو ندا وخطاب غائبانہ نماز میں بلا شک وشبہ جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جو امر نماز میں جائز ہو تو خارض از نماز بطریق اولی جائز ہوتا ہے۔

شبہ سوم

کہتے ہیں کہ یہ امر تعبدی ہے منقول اس طرح ہوا ہے اور امر تعبدی میں صرف انہیں الفاظ منقولہ کے پڑھنے کا حکم ہوتا ہے معنیٰ کے لحاظ نہیں ہوتا اسی کا جواب اولاً یہ ہے کہ صرف امر تعبدی ہونے سے کام نہیں چلتا اس لیے کہ خطاب جائز رکھنے کی روایت تو موجود ہے اب یہ بتاؤ کہ غائب کو خطاب کا لفظ بولنے کی حرمت یا کراہت پر کونسی آیت یا حدیث ہے پیش کرو عقلی گھڑی ہوئی باتوں کو الگ کردو۔ ثانیاً یہ کہ ان کلمات طیبات کو امر تعبدی قرار دینا تمہارے زعم کے مطابق بھی غلط ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ امر تعبدی جس طرح منقول ہو اسی طرح اس کو بحال کر رکھا جاتا ہے اس میں کسی قسم کا تصرف وتغیر جائز نہیں ہوتا اور تم اپنے مزعوم فاسد کے ثبوت میں وہ حدیث پیش کر چکے ہو جس کا مفاد یہ ہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کے انتقال کے بعد ان کلمات کو متغیر کر دیا یعنی خطاب کو بصیغہ غائب تعبیر کیا کرتے تو معلوم ہوا کہ یہ امر تعبدی نہیں اس کو تعبدی کہنا خلافِ واقع ہے

شبہ چہارم

کہتے ہیں روئے زمین کے امکنہ متعددہ میں ایک ہی وقت میں نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور ہر ایک نماز میں نداء وخطاب ہوتا ہے اگر ان سے اخبار و حکایت مقصود نہ ہو بلکہ انشاء ہو تو ایک ذات کا ایک آن میں امکنہ بعیدہ مختلفہ میں حاضر ہونا محالات عقلیہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جن عقول پر عداوۃ الرسول کا پتھر پڑا ہوا ہو البتہ ان کے نزدیک یہ امر محال ہو تو ہو ورنہ یہ نداء وخطاب عقول سلیمہ کے نزدیک قطعاً محال نہیں نہ آپکو حاضر قرار دینے کی صورت میں اور نہ ہی غائب قرار دینے کی صورت میں۔ غائب کی صورت میں تو ظاہر ہے کیونکہ عام طور دور کے رہنے والے غائبین کی طرف خطوط لکھے جاتے ہیں اور ان خطوط میں نداء بھی ہوتا ہے اور خطاب بھی لیکن ان خطوط کے پہنچ جانے کے بھروسہ پر یہ امر معیوب سمجھا جاتا ہے اور نہ ارتکاب محال اور اس ندا وخطاب کا حضور تک پہنچ جانا بھی متیقن ہے خواہ بلا واسطہ یا بلواسطہ ملائک جیسا کہ احادیث صحیح سے

ثابت ہو چکا ہے تو یہاں کوئی تعذر ہے نہ اشکال۔ اور آپ کو حاضر قرار کی صورت میں اس واسطے کو علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام حالات و واقعات میں نصب العین مومنان و عابدان کے ہوتے ہیں یعنی آپ مومنان و عابدان سے کسی وقت غائب نہیں ہوتے جیسا کہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری زئی شریف والےؒ کے پیر و مشد حضرت خواجہ شاہ احمد سعید صاحب قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ الاقدس آپنے رسالہ تحقیقمیں ارشاد فرماتے ہیں و وجہ خطاب آنکہ تا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ نصب العین مومنا نو قرۃ عین عابدان باشد در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت و آخر آں کہ وجود نورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر و قوی تر است کما بینہ الشیخ فی ترجمۃ المشکوۃ (الحق المبین، ص ۳۰)

ناظرین کو واضح ہو کہ یہ حضرت شاہ صاحب اس ملحد فرقہ کے سرغنہ کے دادا پیر ہیں۔

اس مدعا کے اثبات کے لیے گو علماء محققین ہر چہار مذہب کی تصریحات بکثرت موجود لیکن مدمقابل چونکہ ملحد بے دین ہیں جو مقتدایان اسلام کے اقوال ان کے پیش کرنے گدھے کے گلے میں لولو و جواہر کا ہار پہنانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا انہیں کے قول کو پیش کر دینا انسب ہے۔

از برائے کار سفلہ سفلہ می باید فرست
خاک چوں در سر فتد با خاک بیروں می شود

مذہب وہابیہ کا مجدد اعظم نواب صدیق حسن خان نے مسک الختام شرح بلوغ المرام کے ص ۲۴۴ میں تحت السلام علیک ایھا النبی کے وجہ خطاب میں تین امور کہے ہیں ان میں سے پہلا تو وہی وہابیانہ طریقہ یعنی حکایۃ واقعہ معراجیہ اور دوسرا بعینہ یہی عبارت جو حضرت شاہ صاحب قبلہ نے شیخ صاحب سے نقل کی ہے لکھ دی اور تیسرا امر جو سب سے اعلیٰ و احلی ہے اور نواب موصوف کا بھی نہایت پسندیدہ ہے وہ یہ ہے کہ لکھتے ہیں و بعضی از عرفاء قدس سرہم گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام در ذرائر موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی باید کہ ازیں معنے اگاہ باشد و ازیں

شہود غافل نبود تا با نوار قرب و اسرار معرفت منور و فائز گردد آرے شعر:

درراہ عشق مرحلہ قرب وبعد نیست   می بینمت عیان ودعامی فرستمت (الحق المبین)

یعنی حقیقت محمدیہ ہر ذرہ موجودات و ہر فرد ممکنات میں سریان کئی ہوئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کے وجود میں حاضر و موجود۔ بس نواب صاحب نے تو ان ملاحدہ کے ناک کاٹ ڈالی۔ اب بھی اگر نہ سمجھیں تو ان کو خدا سمجھائے۔

نظیر دوم:

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ و اَذِّنْ فی الناس بالحج یأتوک رجالاً و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق س حج پ ۱۷ اس آیت شریفہ کا شان نزول حسب تصریح علماء التفسیر یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکم رب العزت جل وشانہ بنا کعبہ شریفہ کو مکمل کیا تو ارشاد ہوا کہ اے ابراہیم تمام روئے زمین کے اہل قبلہ کو بلند آواز سے پکار کر سنا دو کہ تمہارے حج کے لیے بیت اللہ تیار ہو چکا ہے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میری ندا کہاں تک پہنچ سکے گی۔ ارشاد ہوا کہ ندا کرنا تیرا کام ہے اور پہنچانا میرا کام۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر دونوں انگلیوں کو کانوں میں داخل کر کے بلند آواز سے ندا کیا اور مشرق و مغرب وجنوب وشمال ہر طرف رُخ کو پھیرا اور کہا یا ایھا الناس الا ان ربکم قد بنی بیتا و کتب علیکم الحج الی البیت فاجیبوا ربکم اس نداء غائبانہ کو نہ صرف موجودین روئے زمین نے سنا بلکہ جو مافی الارحام والاصلاب الی قیام القیامۃ پیدا ہونے والے تھے سب نے سنا۔ ان میں سے جس شخص کے نصیب میں حج کرنا مقدر تھا اس نے جواب میں لبیک اللّٰھم لبیک کہا اگر ایک حج مقدر تھا تو ایک دفعہ کہا اور اگر دو حج مقدر تھے تو دو بار علی ہذا القیاس جس شخص کے نصیب میں باوقات زندگانی جس قدر حج کرنے تھے اتنے دفعہ لبیک کہا۔ اگر ندا غائبانہ کفر یا شرک ہوتا تو جناب باری عز اسمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے حنیف معلم التوحید کو اس کا ارشاد کیوں فرماتا ان اللّٰہ لا یرضی بعبادہ الکفر اور ابراہیم علیہ السلام جس کے شان میں

قرآن فرماتا وما کان من المشرکین کیوں نہ عرض کیا کہ نداء غائبانہ تو شرک ہے میں کس طرح اس کا ارتکاب کرسکتا ہوں تو صاف ظاہر وروشن ہوگیا کہ نداء غائبانہ نہ کفر ہے اور نہ شرک۔

نظیر سوم:

۶ھ میں جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں کفار مکہ کے ساتھ صلح کی اور صلح کے دس سال مقرر ہوئے تو من جملہ شرائط صلح کے یہ بھی تھی کہ ایک فریق نہ دوسرے فریق پر اس میعاد میں حملہ کرے گا اور نہ ہی اس کے خلفاء پر۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے بنی خزاعہ اور قریش مکہ کے حلیف تھے بنی بکر۔ ابھی اس صلح کا ایک سال گزرا تھا کہ ۷ھ میں بنی بکر نے بنی خزاعہ پر حملہ شب خون کردیا جس میں قریش مکہ نے ان کی خفیہ مدد کی۔ اس سے بنی خزاعہ کو بڑا نقصان ہوا۔ اس کے بیس آدمی مارے گئے۔ تب بنی خزاعہ کے ایک راجز نے اسی رات میں آپ کو پکارا اور آپ سے استغاثہ کیا اور یہ کہا اغیثناہ یا محمداہ تو اس وقت آپ زنانہ میں وضو فرما رہے تھے۔ حضرت میمونہ پاس موجود تھی تو آپ نے تین دفعہ لبیک لبیک لبیک کہا حضرت میمونہؓ نے عرض کیا کہ اس وقت آپ کس کو لبیک فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ قریش نے بدعہدی کی ہے جو بنی بکر کے ساتھ مل کر خزاعہ پر شب خون کیا۔ خزاعہ کے راجز نے مجھے استغاثہ کیا ہے اس کے جواب میں لبیک کہہ رہا ہوں۔ پھر اس ندا غائبانہ کا اثر یہ نکلا کہ آپ نے فی الفور کفار مکہ پر چڑھائی کر کے مکہ کو فتح کرلیا اور خانہ خدا جو عرصہ سے بت خانہ بنا ہوا تھا اس کو تمام نجاسات اصنام سے پاک کر کے ہمیشہ کے لیے معبد اسلام بنا دیا گیا اور مکہ کو مرکز اسلام قرار دیا گیا۔ یہ ہیں ندا غائبانہ کے فیوضات۔ بتایئے ندا غائبانہ کفر ہے یا کفر توڑ شرک ہے یا شرک توڑ یہ واقعہ عموماً تفاسیر میں بھی ہے اور مولانا مفتی عنایت احمد صاحب نے تواریخ حبیب اللہ کے ص ۱۰۲ میں بالتصریح لکھا ہے۔

نظیر چہارم:

حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت ساریہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج اسلامی لے کر ایران کے کفار کے ساتھ لڑائی شروع کر دی اتفاق سے ہجوم کفار نے لشکر اسلام کو محصور کر لیا۔ قریب تھا کہ کفار غالب ہو کر لشکر اسلام کو نیست و نابود کر دیتے۔ اس وقت امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کے ممبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اثنا خطبہ میں ب آواز بلند فرمایا یا ساریۃ الجبل حضرت ساریہ نے امیر المومنین کی آواز سنا کر پہچان لی اور فوراً سنبھل گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر اسلام کو فتح عظیم حاصل ہوئی اور کفار مغلوب ہو کر سکہ اسلام کو مان کر اسلام کے تابع ہو گئے اور اس دن سے ایران صدیوں کے کفر و شرک سے پاک ہو کر آج تک اسلامی جھنڈے لہلہا رہے ہیں۔ یہ ہیں ندا غائبانہ کے برکات بتایئے ندا غائبانہ کفر ہے یا کفر پٹ شرک ہے یا شرک چٹ۔ اب ان ملاحدہ کا فتویٰ جو فضول لاثانی کے نام سے نامزد ہے جس کی عبارت یہ ہے کسی کو دور سے پکارنا اور اس سے سمجھ لینا کہ اس نے سن لیا کفر و شرک ہے اس حکم حضرت امیر المومنین کے کارنامہ سے نسبت دیجیے حیف صد حیف تف بر ایں اعتقاد۔

نظیر پنجم:

حضرت ابو سعید خدری اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں حضرت ابن عمرؓ کا پاؤں سن ہو گیا۔ یعنی پست ہو گیا جس سے وہ بیٹھ گئے۔ تب کسی نے ان سے کہا **اذکر احب الناس الیک** تو ابن عمرؓ نے کہا یا محمداہ فوراً وہ پاؤں درست ہو گیا اور چل پڑے **رواہ ابن السنی فی عمل الیوم و اللیلۃ** (وجیز الصراط ص ۱۰۸ و نور الانصاف ص ۱۰)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن سعید رضی اللہ عنہ کے تلقین سے حضرت ابن عمرؓ نے یہ ندا غائبانہ کیا اور حضرت مجاہد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس کی تلقین سے حضرت ابن عمر نے ندا غائبانہ کیا بہر کیف جلیل القدر صحابہ کا اس ندا غائبانہ کے عامل ہونے سے صاف ثابت ہوا کہ ندا غائبانہ خواہ منادی زندہ ہو یا بعد از وفات مجوز و مروج ہے۔

نظیر ششم:

بعینہٖ یہی واقعہ یعنی پاؤں سن جانا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی منقول ہے کہ

انہوں نے بھی یہی نداغائبانہ یعنی یا محمد کہنے سے شفا پائی (نورالانصاف ۱۰)

نظیر ہفتم:

علامہ جزری کا التزام ہے کہ سوائے روایات صحیحہ کے اس میں ذکر نہیں ہوگا اس میں مذکور ہے **اذا انفلتت دابة فليناد اعينو نی یا عباد اللہ** یعنی جب تمہاری سواری بے اختیار ہو جائے تو **اعینوا یا عباد اللہ** کہو (حصن حصین)

اور دوسری روایت میں ہے **و ان اراد فليقل يا عباد اللہ اعينو نی يا عباد اللہ اعينو نی يا عباد اللہ اعينو نی** (حصن حصین)

یہ کلمات متبرکہ متعدد احادیث سے ثابت ہیں۔ مرفوعہ بھی اور موقوفہ بھی اور بطریق کثیرہ مروی ان طرق میں سے اگر کسی ایک طریق میں ضعف ہو تو یہ ضعف دوسری طریق میں سرایت نہیں کر سکتا۔ علاوہ ان فضائل میں احادیث ضعیفہ بھی قابل عمل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ علماء اصول کا متفقہ اقرار ہے الحاصل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی کسی ویرانہ میں کسی تکلیف سے مبتلا ہو جائے اور اس کے مدد کرنے والا ظاہراً کوئی نہ ہو تو یہ کلمات نداء غائبانہ استعمال کرے۔ کیونکہ خداوند عالم جل جلالہ نے محض اسی کام کے لیے بندے مقرر فرما دیے جو محتاجوں کی حاجت براری کا وسیلہ ہوتے ہیں۔ اس عمل کو اکابر اُمت نے بارہا تجربہ کیا جو بالکل صحیح ثابت ہوا۔ یہ ہیں نداغائبانہ کے اثرات۔ اگر نداء غائبانہ شرک ہوتا تو آپ اس کی تلقین نہ فرماتے۔

نظیر ہشتم:

جب حضرت سید الشہداء شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شربت شہادت نوش فرمایا اور باقی اعزہ و اقارب کو ظالمین نے مقید کر کے شام کی طرف روانہ کر چلے تو ان اسیروں میں حضرت بی بی زینب بنت علی رضی اللہ عنہما بھی تھی۔ جب یہ معصومہ مرحومہ مظلومہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد اقدس کے پاس سے گزری تو جناب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں استغاثہ کیا اور کہا **یا محمداہ یا محمداہ هذا حسین بالعراء مزمل بالدماء منقطع الاعضاء یا**

محمداہ یہ تھا نداء غائبانہ جس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد کوفہ میں مرض جدری ایسی شدت سے عارض ہوئی کہ بہت لوگ تباہ ہو گئے اور ہزار یا پانچ سو آدمی تو اس سے نابینا ہو گئے جو اکثر سید الشہداء کے محاربین یا ان کے لواحقین میں سے تھے۔

(مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام وجیز الصراط ص ۱۱)

نظیر نہم:

دلائل الخیرات جو کہ نہایت مقبول و منظور ورد اور معمول و شہود وظیفہ ہے جو ہر چہار سلسلہ میں مروج ہے۔ بالخصوص سلسلہ نقشبندیہ میں تو لازمی قرار دیا گیا ہے اور حرمین شریفین میں عرصہ دراز تک اس کا درس جاری رہا ہے۔ اس میں کلمات طیبات ذیلہ ہیں جن میں خطاب و آداء غائبانہ بسرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام موجودہ وہ یہ ہیں **اللھم انی اسئلک و واتوجہ الیک بحبیبک المصطفیٰ عندک یا حبیبنا یا محمد انا نتوسل بک الی ربک فاشفع لنا عند المولی العظیم یا نعم الرسول الطاھر اللھم شفعہ فینا بحاھہ عندک** (دلائل الخیرات، ص ۱۶۶)

من عیینہ دیکھئے یہاں ندا غائبانہ بھی موجود اور خطاب بھی اور لطف یہ ہے کہ ان تمام کلمات میں نہ کہیں صلوٰۃ کا ذکر ہے اور نہ ہی سلام کا۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ ندا خطاب کے جواز کے لیے صلوٰۃ والسلام کے ضمن میں ہونا ضروری نہیں۔ اب اگر ندا غائبانہ و خطاب شرک و کفر ہے تو العیاذ باللہ تمام مشائخ خصوصاً نقشبندیہ و دیگر صالحین جن کا روزانہ وظیفہ ہے مشرک قرار دیے جائیں یا جو اصحاب طریقت اپنے مریدوں کو اس کے پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں معاذ اللہ وہ شرک کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

نظیر دہم:

اب فقہاء حنفیہ کی تصریح بھی سن لیجیے علامہ محقق حلبی حنفی نے بحث میں لکھا ہے کہ یہ دعا بعد وضو مکمل کے پڑھنی چاہیے **اللھم اسئلک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ**

صلی اللہ علیہ وسلم یا محمد انی توجهت بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی اللهم فشفعه في۔ (کبیری شرح منیۃ المصلی ،صلوۃ الحاجۃ ص ۱۷ ۳)

اس میں بھی وہی خطاب وندا غائبانہ موجود جس کی تعلیم فقہاء محققین کرر ہے ہیں۔

نظیر یازدہم:

طبرانی نے معجم کبیر میں بسند صحیح روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی کسی حاجت کے لیے آتا جاتا مگر امیر المومنین اس کی طرف التفات نہ فرماتے۔ اس شخص نے عثمان بن حنیف کو اس کا تذکرہ کیا۔ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا کہ تم پہلے وضو کرو پھر مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ بعد اس کے یہ کلمات طیبہ پڑھو اللهم انی اسئلک واتوجه الیک بنبیک محمد صلی اللہ علیہ واله وسلم نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بک علی لیقضی حاجتی اللهم فشفعه فی۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب حسب معمول حضرت امیر عثمان کے دروازہ پر گیا تو دربان محبت کے ساتھ اس کے بازو سے پکڑ کر حضرت امیر عثمان کے پاس لے گیا۔ امیر عثمان نے اس کی بہت خوشامد سے اس کی حاجت روائی کی اور ساتھ ہی فرمایا کہ آئندہ کوئی حاجت بھی ہو فوراً میرے پاس چلے آنا۔ (معجم کبیر)

یہ ہیں نداء غائبانہ کی برکات۔

نظیر دوازدہم:

صحیح ترمذی میں بروایت حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ ایک نابینا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ آپ دعا کیجیے کہ میری بصارت واپس آجائے۔ آپ نے فرمایا اگر چاہو تو دعا کروں اور اگر چاہو تو صبر کرو اس میں تمہاری بہتری ہے اس نے عرض کیا دعا کرو۔ آپ نے فرمایا وضو کر کے یہ دعا پڑھو اللهم انی اسئلک واتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة یا محمد انی توجهت بک الی ربی فی حاجتی تقضی لی اللهم شفعه فی۔ چنانچہ اس نابینا نے آنحضرت کے غیبت میں ایسا ہی کیا اور بینا ہو

گیا۔ (صحیح ترمذی، نسائی، بیہقی، ابن ماجہ)

اس حدث کو نسائی و بیہقی و ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا ہے اور حاکم نے علی شرط الشیخین کہا ہے اور حافظ ذہبی نے اس کا اقرار کیا ہے اور ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں خاموشی سے اس کو نقل کیا ہے اور حافظ جزری نے حصن حصین میں اور علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں اور علامہ حلبی نے شرح منیہ میں اور طبرانی اور ابونعیم نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں جیسا کہ شرح مواہب زرقانی میں ہے۔ ایسے محدثین کی تصریح اس حدیث کے صحیح ہونے میں کافی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خطاب ونداء غائبانہ بلفظ یا محمد آپ کے عہد مبارک میں آپ کی تعلیم سے ہوا شرح ابن ماجہ میں اور نیز جذب القلوب و معجم الکبیر وغیرہا میں ہے کہ یہ خطاب ونداء بالفاظ بعد از انتقال سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم و عہد صحابہ میں بھی ہوا جیسا کہ نظیر نمبر ا کے ضمن میں مذکور ہوا بعد ازاں حدیث میں کوئی لفظ تعیین زماں و تخصیص شخص پر دال موجود نہیں تو ان کلمات کو مشائخ کرام نے وظائف میں اور فقہاء و محدثین نے کتب فقہ کی الصلوۃ الحاجات میں عام طور پر لکھ دیا۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ جب خود شارح نے اپنی ذات مقدسہ کو وسیلہ انجاح و مرام قرار دے کر اس کی تعلیم بھی فرما دی ہے تو اس تعلیم سے امت کا ہر ایک فرد انتفاع حاصل کر سکتا ہے۔

نظیر سیز دہم:

فتوح الشام میں ہے کہ جب حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے قنسرین سے کعب بن ضمرہ کو بارادہ حلب روانہ کیا ایک ہزار سوار دے کر اور کعب بن ضمرہ کی لڑائی یوقنا سے پڑی اس کی پانچ ہزار سپاہ تھی۔ عین لڑائی کی اثناء میں یوقنا کی پانچ ہزار سپاہ اور آ گئی۔ غرض کہ ایک ہزار فوج اسلام کی لڑائی پانچ ہزار سپاہ کفار سے مقابلہ ہو گیا۔ اس وقت مسلمان جانبازیاں کر رہے تھے۔ اور کعب بن ضمرہ نہایت بے آرام و بے چین گرد آواز دیتے اور پکارتے **یا محمد یا محمد یا انصار اللہ انزل** اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے **یا معشر المسلمین اثبتو فانما ھی ساعۃ و انتم الاعلون۔** نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانان کو فتح حاصل ہوئی اور کفار شکست کھا کر مغلوب و مقہور ہوئے۔ یہ

ہے نداء غائبانہ کے اثار جس کو صحابہ کبار نے سینکڑے کوسوں سے آپ کو پکارا۔ (فتوح الشام، ص ۲۹۸)

نظیر چہاردہم:

مصباح الظلام فی المستغثین بخیر الانام میں بروایت حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ مروی سے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن پر جب تین روز گزر گئے تو ایک اعرابی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گر پڑا اور قبر کی مٹی لے کر اپنے سر پر ڈالی اور کہا یارسول اللہ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا ہم نے اسے سنا اور جیسے آپ نے اللہ تعالیٰ سے حفظ کیا ہم نے آپ سے حفظ کیا اور جو قرآن آپ پر نازل ہوا ہے اس کی ایک آیت یہ ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۰ (سورۃ نساء، ۶۴) ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور آپ کی خدمت شریف میں صرف اسی لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں آپ ہمارے لیے مغفرت چاہیے۔ اسی وقت قبر شریف سے آواز آئی کہ یقیناً تمہاری مغفرت ہوگئی
(مصباح الظلام فی المستغثین بخیر الانام و سیلہ جلیلہ، ص ۱۰۱)

یہ ہیں خطاب و نداء غائبانہ کے افادات۔

نظیر پانزدہم:

امام بیہقی و ابن ابی شیبہ نے مالک دار خازن امیر عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایام خلافت حضرت امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدینہ منورہ میں قحط شدید عارض ہوا تو ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مزار مقدس پر حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ اپنی اُمت کے لیے جناب الٰہی میں بارش کا سوال کیجیے۔ کیونکہ امت ہلاک ہو رہی ہے تو اس شخص کو حضور نے خواب میں فرمایا کہ عمر کو میرا اسلام کہہ دیں اور کہیں کہ بارش ہوگی اور زیرکی سے کام لینا جب یہ واقعہ امیر عمرؓ کو پہنچا تو بہت روئے اور کہا کہ اے پروردگار ہم قصور نہیں کرتے مگر اس چیز میں جہاں ہم عاجز ہوں۔ (خلاصۃ الوفا)

نوٹ: نظیر نمبر ۱۴ و ۱۵ پر اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ مزار مقدس پر جو شخص ندا یا خطاب کرتا ہے یہ خطاب یا ندا غائبانہ کی صورت میں نہیں بلکہ نداء حاضرانہ ہے اس کو ندا غائبانہ میں شمار کرنا

تعسف ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ غائب کا معنی ہے ما غاب عن الحس جیسا کہ مسافت بعیدہ کی وجہ سے غائب کہا جاتا ہے اسی طرح مدفون ومقبور کو بھی بوجہ غائب عن الحس ہونے کے غائب کہا جاتا ہے تو نداغائبانہ متحقق۔

یہ جملہ نظائر بطور مشت نمونہ خروارے وقطرہ از ابحارے وذرہ از قنطارے اگر جملہ بالاستیفاء ذکر کیے جائیں تو دفتر وسیع مرتب ہو جس سے قارئین کرام کے ملال کا اندیشہ لاحق۔ خصوصاً جبکہ اہل انصاف وحق پرست کو اس قدر سے بخوبی تسلی حاصل ہوسکتی ہے۔ تو تطویل لاطائل وتحصیل حاصل بے سود۔ واللہ الھادی

اب نداء غائبانہ جو بضمن اشعار قدیم الایام سے اکابر اُمت مرحومہ میں مروج ہے اس کو بھی بطور تتمہ کے ذکر کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا جس سے معلوم ہو جائے گا کہ نداغائبانہ سلف صالحین میں معیوب نہ تھا اور نہ ہی خلف محققین میں۔

گو کہ منکرین اس نداغائبانہ جو بضمن اشعار واقع ہے اس کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ ندا شاعرانہ مذاق سے ہوا ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں لیکن اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جو الفاظ شرکیہ یا کفریہ ہوں وہ نہ نثراً جائز ہیں اور نہ ہی نظماً۔ خصوصاً ان اشعار کے قائل فردوسی طوسی نہیں بلکہ پیشوایان دین ومقتدایان اسلام جن کے حق میں ترک مستحب بھی محظور اور جن کیلئے کہا گیا حسنات الابرار سیئات المقربین۔

نظیر اوّل:

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں حضرت شیخ محدث دہلوی نے لکھا ہے محمد بن حرب کہتا ہے کہ حضور کے انتقال کے بعد میں مدینہ شریف میں آیا اور مزار مقدس کی زیارت سے مشرف ہو کر وہاں بیٹھ گیا۔ ناگہاں ایک اعرابی آیا اور زیارت سے مشرف ہو کر کہا یا خیر الرسل حق تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب بھیجی اور اس میں یہ آیت بھی ہے وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوٓا اَنْفُسَھُمْ جَآؤُوکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّاباً رَّحِیْما ٥ (سورۃ نساء، ٦٤) اب

میں اپنے گناہوں سے استغفار اور آپ سے مستشفع ہوکر آیا ہوں اور روتا ہوا یہ اشعار پڑھے:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه

لقد طاب من طیبهن القاع والاکم

نفسی الفداء بقبر انت ساکنه

فیه العفاف وفیه الجود والکرم

(جذب القلوب الی دیار المحبوب)

محمد بن عرب کہتا ہے کہ جب وہ اعرابی چلا گیا تو خواب میں مجھے حضور کی زیارت نصیب ہوئی جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس اعرابی کو ملو اور اسے بشارت دو کہ حق تعالیٰ نے میری سفارش کے سبب تیرے سب گناہ معاف کردیے ہیں۔ یہ ہے ندا غائبانہ کے اثرات۔

نظیر دوم:

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے جو حضور کے فضائل میں قصیدہ کہا ہے اور اب تک وہ قصیدہ عام طور پڑھا جاتا ہے اس کا ایک شعر یہ ہے:

وکن لی شفیعاً یوم لا ذو شفاعة

سواک بمغن عن سواد بن قارب

اس میں خطاب صریح بسید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نداء اشارۃ موجود علی ہذا القیاس۔ اگر اسی طرح نداء غائبانہ کے نظائر لکھتے جائیں تو ایک دفتر طویل بن جائے گا جس سے ناظرین کرام کو ملام لاحق حال ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہذا اسی قدر پر اکتفاء کرنا انسب ہے۔ اب نداء غائبانہ کے نظائر جو اشعار کے ضمن میں مقتدایان امت سے واقع ہوئے ہیں بطور نمونہ پیش کیئے جاتے ہیں۔

نظیر اول:

حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے انتقال کے بعد جو اشعار فراقیہ کہے ہیں ان

میں سے یہ شعر بھی ہے جس میں نداء وخطاب دونوں موجود ہیں۔

فواللہ ما انساک احمد ما مشت

بی العیش یوماَ وجاوزت وادیاَ

نظیر دوم:

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو آپ کے فراق میں اشعار کہے ہیں انہی سے یہ شعر بھی ہے جن میں نداء غائبانہ اور خطاب دونوں موجود

رسول اللہ ضاق بنا الفضاء

وجل الخصب و انقطع الاخاء

رجوتک یا ابن امنة لانی

محب و المحب له الرجاء

حضرات یہ ذوق اور مومن کا کلام نہیں جو مبالغہ وشاعریت پر محمول کیا جائے بلکہ یہ کلام ایسے لوگوں کی ہے جو واقعیات کو اشعار کے پیرائے میں بیان فرماتے تھے۔

نظیر سوم:

حضرت یحیٰی صرصری رحمتہ اللہ علیہ جو ابن تیمیہ کے جدّ مجدد و دین کے ہم زمان تھے۔ اور ابن تیمیہ نے اپنی کتاب انتصار میں ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ اشعار ذیلہ ملاحظہ ہوں۔

الا یا رسول اللہ انت وسیلتی

الی اللہ ان ضاقت بمارمت حیلتی

وانت نصیری فی خطوب تتابعت

علیّ و ذخری عند فقری و عیلتی

یا سیدی یا رسول اللہ یا سندی

فی کل خطب ثقیل موجع الم

فاستغفرالله لی یا من اذانز لت

فی شدة انجو فیه من النقم

نظیر چہارم:

ایک شعریہ ہے

یا اکرم الخلق مالی من الو ذبه

سواک عند حدوث الحادث

الصمم

بعض شراح اس قصیدہ کے لکھتے ہیں کہ شیخ بوصیری رحمتہ اللہ علیہ پر ایسے وقت میں فالج گرا کہ وہ ایک جنگل میں تھے۔ کوئی ان کا رفیق معاون نہ تھا۔ شیخ نے اسی حالت میں یہ قصیدہ تصنیف کیا۔ جب قصیدہ تمام ہو گیا خداوند کریم کا سجدہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی درگاہ میں نہایت تضرع سے یہ پڑھا یا اکرم الخلق الخ۔ جب یہ قصیدہ پورا پڑھ گئے تو سو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تکلف سے ان کے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ اسی وقت شفایاب ہو گئے۔

نظیر پنجم:

حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی پیران پیر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا یہ قصیدہ مشہور ہے۔

یا حبیب الا له خذ بیدی

ما لفجری سواک مستندی

اعتصامی سوا جنابک لی

لیس یا سیدی الی احدی

غیر عرواک لیس فی الدارین

لعلیل الذلیل معتمد

کن رحیماً لذاتی واشفع

یا شفیع الوری الی الصمد

نظیر ششم:

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ جو موجودہ تمام نقشبندیوں کے دادا پیر ہیں اپنے ایک قصید میں اس طرح فرماتے ہیں۔

گفت مظہر غزلی بہر جگر گوشۂ تو

غوث اعظم مددے قبلہ پاکاں مددے

نظیر ہفتم:

حضرت مولانہ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ قصیدہ ہمزیہ میں فرماتے ہیں۔

رسول اللہ یا خیر البرایا

نوالک ابتغی یوم القضاء

اذا ما حل خطب مد لھم

فانت الحصن من کل البلاء

الیک توجھی و بک استنادی

و فیک مطامعی و بک ارتجائی

نظیر ہشتم:

حضرت شیخ محدث محقق عبدالحق دہلوی اپنے ایک قصیدے میں لکھتے ہیں

بھر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما

بلطف خود سر و سامان جمع بے سر و پا کن

نظیر نہم:

حضرت شاہ ابوالمعالی قاری لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

گر نبودے یا رسول اللہ ذات پاک تو

هیچ پیغمبر ندیدے دولت پیغمبری

نظیر دہم:

حضرت مولانا عارف جامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

ای بسر پردۂ یثرب بخواب

خیز که شد مشرق و مغرب خراب

ز مهجوری برامد جان عالم

ترحم یا نبی اللہ ترحم

نظیر یازدہم:

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی و مولوی اشرف علی تھانوی و دیگر علماء ہندوستان کے پیر طریقت حضرت جناب مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی چشتی صابری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس وقت آپ حج کر کے ہندوستان واپس تشریف لائے اس وقت قصیدہ فراقیہ لکھا جس کے دو بیت یہاں لکھے جاتے ہیں۔

اگرچہ ہوں نہ قابل وہاں کے پر امید ہے تم سے

کہ مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یا رسول اللہ

پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو

بس اب قید دو عالم ہے چھڑاؤ یارسول اللہ

نظیر دوازدہم

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ دیوبند جن کے علماء دیوبند بلکہ یہ فرقہ ملاحدہ بھی نہایت معتقد ہیں۔ اپنے ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں:

تیرے طفیل سے اتنی تو ہو گئی تخفیف
بشر گناہ کریں اور ملائک استغفار
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

نظیر سیزدہم:

حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیر دیوبندی نے ایک قصیدہ دالیہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شان عالی میں لکھا جس کا آخری بیت یہ ہے:

وز جناب وے رضا بر احقران مبتہام
خاصہ آں احقر کہ افقر ست از جملہ انام
مستغیث است الغیاث ای سرور عالی مقام
در صلہ از بارگاہست درنشیند ایں قصید

غرض اگر اکابر اُمت مرحومہ سے خطاب و ندا سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو بحالت غیوبیت بست صادر ہوئے ہیں تمام کے تمام لکھے جائیں تو ایک طویل کتاب بن جائے گی۔ لہٰذا بطور نمونہ اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ واللہ الہادی

حررہ المسکین احمد الدین عفا اللہ عنہ گانگوی